

۱ ۶۱۵۸

۱۲۷۹

پیغمبر اُمّی
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
اُنیّت کا تحلیل و تجزیہ



مؤلف : جعفر سبحانی
مترجم : سید محمد موسیٰ رضوی

خانہ فروہنگ جمہوری اسلامی ایران حیدرآباد سندھ

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

جملہ حقوق بحق خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران حیدرآباد سندھ
محفوظ ہیں۔

طبع اول — ۱۹۸۵ء

تعداد — ۲۰۰۰ ہزار

طابع — مطبوعہ النحر پرنٹرز کراچی

قیمت — دس روپیہ

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ = اِقْل بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي

بعض افراد کے نزدیک پیغمبر خاتمِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی حیاتیاتی طبعیت میں کچھ بڑھنے سے واقف نہ ہونا اور کسی مدرسے یا مکتب میں نہ جانا ایک طرح کی محی منصور ہوتا ہے اور وہ آنحضرت کے اُمتی ہونے کو ایک پیغمبر کی علوشان کے متنافی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان افراد کے خیال و فکر کے برعکس آپ کا اُمتی ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی نقص یا کمی کی بات نہیں بلکہ یہ وصف تو آپ کی ذات والا صفات کے حق میں عین کمال اور بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ لسان الغیب حافظ شیریں بیان نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے۔

نیکار میں کہ مکتبِ معرفت و خطِ نوشت
بغیر ہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

میرا محبوب جو نہ مکتب گیا نہ اس نے کھینا سیکھا، اپنی
اداسے سود رسول کو مسئلہ سیکھانے والا ہو گیا۔

ذرا غور کیجئے! وہ پیغمبر جس کے جسمِ بھجان علمِ لُغوی
کے بے پایاں چشمہ سے سیراب ہوئے ہوں اور جس نے
مکتبِ عیب سے حکمت و معرفت کا درس لیا ہو تو اُسے
مدرسے جانے اور ناقص مکتبوں کی محدود اور ادھوری

تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ پیغمبر جو خود
عالم بشریت کا معلم ہوا اور جو جہانوں کے پروردگار کی
طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہوتا کہ انسانیت کو کتاب ہدایت
ذریعہ اخذ علم و دانش کی ہدایت فرمائے اور اُسے
کمالات کے بالاترین مراتب تک پہنچائے تو اُسے مدرسے
جانے اور کسی اُستاد کے سامنے بیٹھ کر سبق پڑھنے کی کیسا
ضرورت ہے۔ آپ تو وہ معلم انسانیت ہیں کہ جن کی
لائی ہوئی وحی آسمانی کے مقابل دنیا بھر کے فلسفی اور
دانشور سرعہ خرم کئے ہوئے ہیں اور اس کے ذوق و عمیق
معانی کے فہم سے قاصر ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ
مدرسے جائیں اور اُستاد سے سبق پڑھیں۔ ایک مقدس
شارع جس کے مکتب فضیلت میں بڑے بڑے دانشمند
اور اساتذہ تعظیم جھکائے ہوئے آتے ہوں اور بھی اس
کی بے انتہا نعمتوں کے وسیع دست خوان کے ریزہ چیں
ہوں تو کیا اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ بیچ اور مولیٰ سے علم
حاصل کرنے کے لئے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ کرے؟
اللہ پیساہ میں رکھے، اگر یوں ہو۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُر افتخار زندگی اور آپ کی
حیات مبارکہ کی جزئیات (ولادت با سعادت سے لے کر
رحلت فرمانے تک) تمام کی تمام اور غیر مسلم مورخین کے
قلم سے جیلے تحریریں آچکی ہیں۔ تو کیا کسی ایک مورخ نے
بھی پیغمبر اکرم کے مدرسے جانے کے بارے میں کوئی لفظ

اثبات میں لکھا؟ یا وہ قطعی دلیلوں سے ثابت کر سکا کہ
آنحضرتؐ نے کسی استاد کے دے ہوئے سبق سے اتفا کیا؟
اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جزیرۃ العرب کے اُس
دورِ جاہلیت میں علم و معلومات نام کی کوئی شے موجود
تھی؟ اور اگر کوئی گنا چٹا عالم ہوتا بھی تو عربوں کی
تاریخِ جاہلیت میں کہیں تو اس کا ذکر آتا اور یہ کہ پیغمبرِ کریمؐ
اگر کسی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے گئے ہوتے تو تاریخ
کے صفحات میں کہیں تو کوئی نفلطتا۔

ہاں تمام مفسرین اور مورخین اس قول پر متفق ہیں
کہ پہلی سورہ "اقلا" کے نزول کے وقت اور وحی کے ذریعہ
خطابِ الہیؐ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ
کے جواب میں آپؐ نے فرمایا تھا "وما انا بقاری"
(میں نے پڑھنا نہیں سیکھا کہ پڑھ سکوں)۔

مذرحہ بالا دلائل کی بنا پر جو تاریخ کے اوراق
میں ثبت و محفوظ ہیں، اس میں شک و تردید کی کوئی
گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ آنحضرتؐ صلی علیہ وآلہ وسلم نے
جس مکتب سے درس لیا تھا اس کا تعلق علم لدنی اور
اللہ تعالیٰ کے لایزال سرچشمہ علوم و معرفت سے تھا۔
ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس سستی کا مکتب
آخری، مکاتیبِ الہی سے ہو، جس کی شریعتِ آخری
شریعتوں اور آسمانی قوانین سے ہو اُسے ہرگز کسی اور
جگہ جا کر علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور یہی امر
آپؐ کا کسی مدرسہ میں نہ جانا، کسی سے سبق نہ پڑھنا،

اور آپ کا اُمّی ہونا، اسلام، قرآن اور نبی آخر الزمان
کے ختم نبوت کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔
خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران - حیدرآباد سندھ
کو امید ہے کہ اس کتاب کے محترم قارئین یہ جان لیں گے
کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمّی ہونے کے
بارے میں کیسے کیسے شبہات پیدا کئے گئے ہیں اور ان کے
جوابات دے کر کہاں تک عہدہ برآ ہوا گیا ہے تاکہ وہ
بھی دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

محمد کاظم مولوندی
مسؤل
نمائندہ فرہنگ جمہوری اسلامی
ایران - حیدرآباد سندھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مغرب زدگی ایک ایسی بیماری ہے جس نے نہ صرف ہم اہل مشرق کے رہن
سہن کے طریقوں اور معاشرتی و اقتصادی امور ہی میں رخنہ نہیں ڈالا بلکہ
ہمارے مذہبی دانشوروں کے طرز تفکر پر بھی خاصہ اثر قائم کیا ہے۔

اور اس کی واضح مثال وہ تحریریں اور تقریریں ہیں جو ہمارے مذہبی بولنے
اور لکھنے والوں کے زبان و قلم سے آئے دن ردیہ عمل آتے رہتے ہیں اعدان کی
مغرب زدگی اور اجنبی افکار کی آئینہ داری کرتے ہیں۔

اسلام کے عالی مقام رہنما کی زندگی کے تجزیہ میں خود قرآن اور دراول کے
مسلمانوں کے اسناد سے رجوع کرنے اور انہیں ان کے فقدان کتابوں کے درمیان سے
چن کر عام فہم زبان میں لوگوں تک پہنچانے کے بجائے ہم اس ٹوہ میں ہوتے ہیں کہ
فلان فرانسیسی پروفیسر نے جناب رسالتاً کے بارے میں کیا کہا یا فلان عیسائی
صاحب قلم کا جناب امیر المومنین کے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم بیرونی مصنفین کی کتابوں کے
مطالعہ کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ علم و دانش کسی خاص سرحد کا پابند نہیں اور یہ کہنا
مناسب نہیں کہ اسلامی علوم مجموعی طور پر کسی ایک گروہ کے اختیار میں ہیں۔

ہیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ان بیرونی مصنفین کی گواہی "الفضل ما شہدت بہ
الاعداء" کی رو سے ہماری سرفرازی کا باعث ہے اور اس سے غیر قوموں اور فریب
خوردہ افراد کی رہنمائی بہتر طریقے سے انجام پاسکتی ہے۔

ہماری اس گفتگو میں زور کسی اور بات پر ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان،
مکتب اسلام و قرآن کے نام سے ایک خاص درس گاہ کے پابند ہیں اور اسے متوفیہ

حق جانتے ہیں اور اس رو سے مذہبی مسائل کے تجزیہ میں ہیں اپنی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر اسے تحفظ دینا چاہتے اور اپنے ہی بے عیب و ریب آثار و استاد سے استفادہ کرنا چاہتے تاکہ مغربی طرز فکر ہم پر اپنا اثر قائم نہ کرے اور ہم اسلامی حقائق کو ان کے دریچہ فکر سے جانچنے کی کوشش نہ کریں اور ان کی تائید کرتے ہوئے اسلام کے مسلمات کو شک، تردید یا انکار کے آستانہ پر لا کر نہ کھڑا کریں۔

پیغمبر اسلامؐ کی وحی و نبوت مغربی دانشوروں کی نگاہ میں

مغربی معنیتیں اسلام، قرآن، اور آسمانی احکام و قوانین کے مطالعے کے بعد ان سب کو معاشرتی حالات سے ابھرنے والا ایک الزکھا واقعہ سمجھتے ہیں جسے مکمل اور قدرتی طور پر مادی اسباب کے ایک سلسلے نے جنم دیا۔ وہ کہتے ہیں مرزین عرب پر چھائے ہوئے غصہ خاص عوامل نے اس تاریخی حادثہ کو رونما کیا۔ وہ شریعت محمدیؐ کو ایک آسمانی آئین اور خود آپؐ کی شخصیت کو ایک ایسی برگزیدہ ہستی سمجھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جنہیں جبرئیلؑ نے تعلیم دی ہو اور جنہوں نے اپنے تمام احکامات کو درگاہِ وحی سے حاصل کیا ہو۔

صرف مسلمان ہی وہ قوم ہیں جو آپؐ کو برگزیدہ الٰہی اور پروردہ مکتبِ وحی جانتے ہیں اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے تمام احکامات کو ایک ایسے عالم سے اخذ کیا ہے جو مکمل طور پر ہماری نظروں سے مستور ہے۔

ایک مغربی مفکر دائرہ انصاف میں قدم رکھ کر بہت سے بہت ان ناروا ہتھمتوں کو رد کرے گا جسے چرچ نے آپؐ پر چسپاں کیا ہے اور کہے گا۔ پیغمبر اسلامؐ انسانی معاشرے کی ایک ایسی غیر معمولی ذہین ہستی ایک ایسے صاحبِ فہم، ایسے واقف کار مصلح اور ایسے پائیدار و بصیرت منقن تھے جنہوں

نے انسانی معاشرے کو اپنے پرورش و نژاد سے ایسا مفید قانون دیا جو کسی دور میں فرسودہ نہ ہو سکا۔

کیا پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ چلے ہم مسلمانوں کے عقیدہ و افکار بن سکتے ہیں؟ یہ چلے تو ارسطو، افلاطون، بوعلی سینا، صدر المتعالیین، ڈسکارٹ اور ٹیسیو جیسے نوابغ روزگار کے لئے مناسب ہیں نہ پیغمبر اسلام جیسی ہستی کے لئے جو کسی اور ہی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اس قسم کے فریب آمیز نظائر خوبصورت چلے آپ کا حقیقی تعارف نہیں ہے۔

وحی مخبرانی دانشوروں کی نظریں ارتقاء فکری، ذہانت اور معاشرتی اور اخلاقی مسائل کے حل میں غیر معمولی قدرت و توانائی کے سوا کچھ بھی نہیں، اعدان کے منصف سمجھنے والے تمام بڑے بڑے صاحبان فکر و نظر اور سربراہان آئندہ افراد کا نام لکھ کر پیغمبرؐ کو سرلوہ نوابغ قرار دیتے ہیں اور آپ کے انکار و منورغ کے سراپے ہوئے آپ کو ایک ایسا فلسفی پیش کرتے ہیں جو نہایت وسیع و عمیق نظریات کا حامل تھا۔ کیا وحی کی حقیقت ہم مسلمانوں کی نظر میں یہی ہے؟

کیا اسلامی شریعت کی شائستگی اس بات میں ہے کہ اس کا لائے والا دنیا کا سب سے بڑا صاحب فکر اور نا بخشہ روزگار ہو؟

کیا جناب رسالتؐ کی نبردگی اور برتری اس اعتبار سے ہے کہ آپ نے اپنے سوچنے فکر سے اخلاقی اور اجتماعی مشکلات پر قابو پایا اور ایک ایسے آئین کے مصدر بنے جو نوع بشر کی بھلائی کی سونید ضمانت دیتا ہے؟

ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ خواہ کتنی فہم و فراست کا حامل ہو لیکن اس کی شریعت ہرگز اس کے فکر کی تخلیق نہیں ہے اور معاشرے پر چھائی ہوئی اس کی غیر معمولی ذہانت اس کی شریعت اور اس کے آئین پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہوتی

قرآن نے اس کی شریعت کے حقیقت حال کو صرف ایک جملے میں بیان فرمایا ہے
 ”إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ قرآن آپ کی عقل و خرد کا شاہکار نہیں ہے بلکہ یہ
 وہ عجز و حقائق ہے جسے اپنے عالم وحی سے سیکھا ہے اور جو دوسرے عالم سے آپ
 کے قلب پر القاء کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف کا شمار ہندوستان کی بڑی اسلامی شخصیتوں میں ہوتا
 ہے وہ آج کل ”اسلامی علوم اکیڈمی حیدرآباد“ کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنی
 خدمات انجام دے رہے ہیں انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کے چوتھے اسلامی تحقیقات
 سے متعلق کانفرنس میں ”امی“ کے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں جو رسالہ
 انگریزی زبان میں شائع ہو کر ڈیڑھ سو اسلامی اور غیر اسلامی دانشوروں کے
 درمیان تقسیم ہوا لوگوں کے استقبال کا باعث بنا اور لوگوں کی ایک تعداد نے اس
 کے مضامین کو بہت سراہا۔

رسالہ کا خلاصہ، تاریخی، قرآنی اور عقلی شواہد کے ایک سلسلے کے ساتھ یہ ہے
 کہ پیغمبر اسلام پرگز ”امی“ زنا خواندہ نہیں تھے اور یہ جواب تک مسلمانوں نے آپ
 کو امتی کی حیثیت سے پیش کیا ہے آپ پر ایک بڑا ظلم ڈھایا ہے۔
 اس مسئلے میں موصوف ڈاکٹر صاحب کے محرکات، اور دلائل و شواہد کے وہ
 تاملے بادل جو زیادہ تر علمی حیثیت سے عاری ہیں مغرب زدگی اور مذہبی مسائل میں
 اجنبی افکار کی غلط پیروی کے آئینہ دار ہیں اور اس میں ”نبوت“ اور ”وحی“
 کا مسئلہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

۱۔ سورۃ النجم۔

۲۔ یہ کانفرنس دسمبر ۱۹۶۷ء میں منعقد ہوئی۔

تکذیب ہے کہ بالغہ فہم و فراست، سالار علم و دانش، سرآمد تشریح و تفسیر، جو مادی معاشرتی اسباب کے ایک سلسلے کے تحت اس مقام تک پہنچا کس طرح ممکن ہے کہ لکھنے پڑھنے کی نعمت سے محروم ہو اور اس نے اپنی عمر کے کسی حصہ کو تحصیل علم میں صرف نہ کیا ہو۔

ظاہر ہے مذکورہ طرز فکر سے۔۔۔ کہ جناب رسالتاً معاشرے کے سب سے ذہین اور غیر معمولی انسان تھے ایسے ہی نتائج برآمد ہوں گے اور جو بھی مسلمان اس دریچے سے جناب رسالتاً کو دیکھے گا اس کو اسی طرح سے سوچنا پڑے گا اور جوڑ توڑ کر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اپنے اکتسابی طور پر تحصیل علم کیا ہے وگرنہ دوسری صورت میں گویا وہ آپ پر ظلم و ستم روا رکھے گا اور آپ کو آپ کے مقام و منزلت سے گرا دے گا۔

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں: ہرگز یہ بات معقول نہیں ہے کہ روحی اور معنوی افکار و تجلیات کا حامل ایک ایسا غیر معمولی ذہن انسان جو تشریح و تفسیر پر ایسی قدرت رکھتا ہو ایک ان پڑھ اور بقول ان کے جاہل انسان ہو یہ غیر معمولی ذہانت، عروج فکر اور اصلاح و تشریح کی یہ کیفیت اس نعمت کے بغیر نامکن ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں کا پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں ہے ہم آپ کی نبوت کو ایک انوکھا واقعہ آپ کے قوانین کو آپ کی فطری اور غیر معمولی ذہانت و استعداد کا نامہ اور قرآن کو آپ کے بشری افکار کی تخلیق نہیں سمجھتے ہم آپ کو وحی کی پراسرار طاقت کی حامل ایک ایسے درس گاہ کا شاگرد سمجھتے ہیں جس کا دلک عقل بشر کی توانائی اور اختیار سے باہر ہے۔ آپ نے اپنے تمام احکامات کو اسی درس گاہ سے حاصل کیا ہے اور وحی کے نظر نہ آنے والے استادوں

نے آپ کو زندگی کے پہلے دن سے آخری لمحہ حیات تک اپنی نگرانی میں رکھا اور آپ کو علم و دانش کے آخری مراحل تک پہنچایا۔ آپ کو اپنی فکری اور روحانی ترقی و تکامل کے لئے دنیاوی استادوں کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ اپنی عمر کے ایک حصے کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم میں صرف کرتے یہ کام تو محلمان وحی نے بہ حکم الہی اپنے ذمہ لے لی تھی تاکہ الہی قوانین و آیات اور معارف و علوم کو آپ تک پہنچائیں۔

مسلمانوں کے اس عقیدہ کو ذیل کی یہ آیت بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

یعنی یہ کہندو (اے رسولؐ) بجز اس کے کچھ نہیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں دیگر اس فرق کے ساتھ کہ (مجھ پر وحی آتی ہے) اور میں اس طاقتور غیبی درس گاہ کا پروردہ ہوں (آپ اس اعتبار سے بشر ہیں کہ مادی زندگی اور جسمانی خصوصیات میں ہمارے مشابہ ہیں اور اس میں یقیناً ذرہ برابر فرق نہیں لیکن اس اعتبار سے کہ آپ نے درس گاہ وحی میں تعلیم حاصل کی ہے آپ کے علوم و معارف، فکر و خیالات، تشریح و تفہیم، طرزِ جہان بینی اور وسیع معلومات ہمارے ساتھ قابلِ تیسرے نہیں اور برگزائن معاشرتی اور مادی پیمانوں سے نہیں ناپا جاسکتا۔ اس عنوان سے ضروری نہیں کہ آپ ہماری طرح تعلیمی ادارہ کو پورا کریں اس لئے کہ آپ نے تمام بشری کمالات، انسانی فضائل اور معارف الہی کو اس مخصوص مدرسہ میں حاصل کیا ہے جو صرف خدا کے خاص بندوں (پیغمبروں) کی تعلیم گاہ ہے۔

پیغمبر اسلام کے ممتاز شاگرد جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ایک خطبے کے دوران اپنے عظیم الشان استاد (جناب رسالتؐ) کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لے سورہ کہف آیت ۱۱۰

ولقد قرن اللہ بہ من لدن کان فطیما اعظم ملکہ من ملائکہ
یسئل بہ طریق الکام، ومحاسن اخلاق العالم لیلہ ونہارہ۔
یعنی خداوند عالم نے دودھ چھوٹنے کے بعد سے جناب رسالتاً کے لئے
فرشتوں میں سے ایک عظیم الشان فرشتے کو آپ کی تعلیم و تربیت پر مامور کیا تاکہ
دو دن رات آپ کو مکالم اور محاسن اخلاق کی راہ پر آگے بڑھائے۔

ناقابل تلافی لغزش

ڈاکٹر صاحب نے جناب رسالتاً کی شان میں دسوزی کا اظہار کرتے ہوئے
ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جس نے اسلام دشمن عناصر کے لئے حملہ کی راہ ہموار کی بلکہ
ایسے پہلے مسلمان دانشمند ہیں جنہوں نے اسلامی مسائل میں مغرب زدگی کے زیر اثر پیغمبر
اسلام کی حیات طیبہ سے متعلق حتمی تاریخ سے انحراف کرتے ہوئے واضح الفاظ میں
اعلان کیا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ نے اپنے پیروکاروں کے نظریہ کے خلاف
عہد طفولیت میں معینہ استادوں سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، اور یہ ہے
ان کی عبارت :-

کیا یہ بات قابل قبول ہے کہ جناب ابوطالب جو خود ایک تعلیم یافتہ اور
صاحب فہم انسان تھے وہ بعد میں پیغمبر اسلام کے داماد بننے والے اپنے بیٹے علیؑ
کو علم و دانش کی تعلیم دیں اور اپنے بڑے بھائی کے اس یتیم بچے کی تعلیم و تربیت
سے غافل ہوں جو آپ کی کفالت میں سونپا گیا ہو اور اسے آزاد چھوڑ دیں کہ وہ
ایک (نوذ باللہ) جاہل اور علم سے فاقہ نواز ہو جائے۔

ہمارے اس محترم لکھنے والے نے اپنی اس تحریک سے ہر طرح کی
انفرا اور تہمت کے لئے راستہ صاف کیا ہے اس لئے کہ آپ کے دشمن

نزد دل دجی کے پہلے ہی دن سے بہانے کی تلاش میں ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن، اسلامی دستورات اور آپ کی تمام ہدایات خود آپ کے فکر کی تخلیق اور گزشتہ کتابوں کے مطالعات کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے اپنی قوت فہم کے ساتھ گزرے ہوئے آثار کا مطالعہ کر کے انھیں سورے آیات، قصص، ہرگز اور شریع و تقنین کی صورت دی اور ان تمام چیزوں کو خدا سے وابستہ کیا قرآن ان کی اس تہمت کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وَقَالُوا سَاطِرُ الْاَدْلٰیْنِ كَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰی عَلَیْہِمْ بِكُرْہٍ وَّاصِلًا^۱
یعنی قرآن گزرے ہوئے لوگوں کی کہانی ہے جسے محمدؐ نے لکھا اور جو صبح و شام ان کو لکھوایا جاتا تھا۔

اور پھر اس تہمت کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ اَنْزَلْنٰہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ
کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا^۲

یعنی کہہ دو (اے رسولؐ) زمین و آسمان کے رب سے واقف خدا نے اس
قرآن کو نازل کیا ہے اور وہ بڑا رحیم اور بخشنے والا ہے۔

آج اس افتراء نے اپنی شکل بدل کر ایک فکری شاہکار، معاشرتی آفت
اور نابغہ دوران کاروپ دھار لیا ہے۔ اس طرز فکر کے حامل افراد نے
رسالوں، کتابوں اور کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعہ ان مسلمانوں کے عقائد پر
کاری ضرب لگائی ہے جو آپ کو مبعوث من اللہ اور معلم الہی جانتے
ہیں اور اس عقیدہ میں اپنے جان و مال کی قربانی دیتے ہیں۔

۱۔ سورہ فرقان - آیت ۵
۲۔ سورہ فرقان - آیت ۶

جناب رسالتاً ۳۱ سال کی عمر میں اپنے چچا اور قریش کے تجارتی قافلے کے ہمراہ عازم شام ہوتے ہیں۔ آدھا راستہ طے کر کے قافلہ ایک مقام پر توقف اختیار کرتا ہے اس منزل پر ایک دیرنشین راہب جناب رسالتاً کے چہرہ اقدس سے کچھ علامات اخذ کرتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جس کا انجیل اور تورات میں وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آپ کے چچا کے پاس آکر ان سے درخواست کرتا ہے کہ آپ کو شام نہ لے جایا جائے۔ موقع کے تلاشی مستشرقین اس واقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں: محمدؐ نے اس سفر میں اپنے دین اور مذہبی حقائق کو اسی راہب سے سیکھا اور عمر کے چالیسویں حصہ میں ان کی تبلیغ کی

قریش کا یہ قافلہ شاید چند گھنٹوں سے زیادہ وہاں نہیں رکا۔ کسی دور کا کوئی ذہین ترین انسان اس تھوڑے سے عرصے میں جناب رسالتاً کے لائے ہوئے حقائق کا ہزاروں حصہ بھی نہیں سیکھ سکتا لیکن یہ لوگ کمال وقاحت کے ساتھ اپنی اس نگر پراڑے بیٹھے ہیں۔

اب جب ہمارے ان محترم ڈاکٹر صاحب نے کچھ زیادہ قدم آگے بڑھا کر یہ کہا کہ آپ نے ایام طفلی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اسلام دشمن عناصر یقیناً اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

مسئلہ پیش کرنے میں ناچختگی

ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کرنے میں غلطی کی ہے اور دو باتوں کو ایک دوسرے میں ملا دیا ہے۔ آپ کے دلائل و شواہد ایک واحد مقصد کو لے کر آگے نہیں بڑھتے بلکہ نیچے کے دو مقامات کو ایک دوسرے سے الگ کر کے چھریہ دیکھنے کی ضرورت

ہے کہ ہماری بحث کس موضوع سے ہے؟

۱۔ کیا پیغمبر اسلام نے کسی کے آگے زانوئے ادب طے کیا تھا اور آپ گویا ایک تعلیم یافتہ شخص تھے یا نہیں؟

۲۔ کیا پیغمبر اسلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے؟ اگر بالفرض جانتے تھے تو کیا آپ نے اپنی اس صلاحیت سے قبل بعثت کام لیا یا بعد بعثت؟

یہ دو باتیں ہمارے غرض لکھنے والے کی گفتگو میں مکمل طور پر غلط ہو گئی ہیں اور ان کے دلائل بھی پہلی بات اور بیشتر دوسری بات پر منطبق ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ دو باتیں ایک دوسرے سے الگ اور قابل تفلیک ہیں، کیونکہ ممکن ہے کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ پیغمبر اسلام نے کبھی بشری مسلم کے آگے زانوئے ادب طے نہیں کیا اور ہرگز کسی سے ایک جملہ یا ایک نقطہ کی بھی تعلیم حاصل نہیں کی (جیسا کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور جناب رسالتؐ کی حیات طیبہ کی قطعی تاریخ اس کا مکمل ثبوت ہے) لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کا معتقد ہو کہ آپ الٰہی توجہات اور غیبی معلم کے زیر اثر انواع، نقوش اور سطور کے لکھنے پڑھنے پر پوری قدرت رکھتے تھے اگرچہ آپ نے اپنی پوری عمر میں ان دو نعمتوں سے کبھی استفادہ نہیں کیا یا یہ کہ بعض مواقع پر بعد بعثت اس سے استفادہ کیا ہے۔

جو کچھ کہ اس کتابچہ میں آج ہمارے پیش نظر ہے اس کا تعلق گفتگو کے پہلے حصہ سے ہے وگرنہ دوسرا حصہ جو رسول مقبول کے لکھنے پڑھنے کی استطاعت سے متعلق ہے اتنا اہم نہیں ہے، پھر بھی ہم اس پر غور کر کے اپنا پورا خیال ظاہر کریں گے۔

جناب رسالتؐ کی ذات اقدس پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ہم آپ کو اس قدر نیچے لائیں اور کہیں کہ آپ نے اپنی عمر کے ایک حصہ کو کسی مدرسہ یا مکتب میں

تسلیم حاصل کر کے گزارا اور اس مفہوم کو اس طرح پیش کریں کہ ایک ناخواندہ شخص
 رد بقول ڈاکٹر صاحب جاہل کس طرح بار رسالت و ہدایت کو اٹھا سکتا ہے
 وہ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے گزشتہ ذکر شدہ مفہوم کے علاوہ یوں
 استدلال فرماتے ہیں: مکہ اور طائف ان دونوں حصول علم کا مرکز تھا اور یہاں باقی
 مدارس موجود تھے۔ کیا ایسی صورت اور ایسے ماحول میں یہ بات ممکن ہے کہ محمدؐ
 جیسے یتیم اور با وقعت بچہ کو جس کے دادا کلمہ تھا کہ وہ تاریخ عرب میں کسی اہم
 کردار کا حامل ہو قریش کے ان تمام بچوں سے علیحدہ رکھا جائے جو حصول علم کے
 لئے اسکول جایا کرتے تھے۔

اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے تاریخ لکھنے والوں نے جناب رسالتؐ
 کی بعثت سے قبل کی زندگی پر اچھی طرح توجہ نہیں دی اور اس سلسلے میں ۳۰ صفحوں
 سے زیادہ نہیں لکھا اگر وہ آپؐ کی بچپن کی زندگی کے بارے میں کچھ تحریر کرتے تو آج ہم
 اس اشتباہ سے دوچار نہ ہوتے۔ اس کے بعد سید عبداللطیف صاحب، ڈاکٹر محمد
 یوسف الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جناب رسالتؐ کی ابتدائی زندگی سے
 متعلق بہت سی باتیں ابھی اسناد اور خطی کتابوں کی صورت میں باقی ہیں اگر ان
 کی طباعت عمل میں آئے تو ممکن ہے آپؐ کی طفولیت سے متعلق ہمارے بعض افکار
 میں تبدیلی رونما ہو۔

یہ جملے بتاتے ہیں کہ یہ ہندوستانی دانشور جناب رسالتؐ کو دنیاوی درسگاہ
 کا ایک تعلیم یافتہ فرد ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور آپؐ کے کمالات اور لکھنے پڑھنے سے
 متعلق نعمت کو اسی کامروہ منہ منت جانتے ہیں۔

اور یہ باتیں محترم مترجم جناب تفضلی صاحب کو ایسی بھائیں کہ انہوں نے اپنے
 پیش لفظ میں ازراہ امتنان لکھا۔

میں نے جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی تحقیقات سے پورا استفادہ کیا اور مجھے پورا یقین حاصل ہو گیا کہ جناب ختمی مرتبتؒ ایک تعلیم یافتہ اور دانشمند انسان تھے اور اس اعتبار سے میں جناب ڈاکٹر صاحب کا بڑا قدردان اور شکر گزار ہوں اور ان امید کرتا ہوں کہ میرے عزیزِ م وطن اور تمام پڑھنے والے بھی اس نتیجہ پر پہنچیں اور ان کے دل دماغ سے شبہات کا ازالہ ہو۔

ہم نے جناب ڈاکٹر صاحب کے تمام دلائل و اسناد کو پوری طرح پرکھ کر اور موبہو ان کا جواب تیار کر کے اپنی گفتگو کی تائید میں مفید مطالب کے ایک سلسلے کے ساتھ انہیں پیش کیا ہے۔ ہم نے تمام استقادات کو درجہ اول میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلا حصہ۔ ڈاکٹر صاحب کا وہ حساس ترین نقطہ جس میں آپ نے جناب رسالتؐ کو دنیاوی درسگاہ کا ایک بڑھا لکھا فرد ثابت کیا ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ، اس موضوع کے متعلق کہ کیا جناب ختمی مرتبتؒ بعدِ بوئیت الہام اور نبیؐ تعلیم کے ذریعے لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا نہیں؟ اور اگر جانتے تھے تو کیا اس سے آپ نے کوئی فائدہ اٹھایا یا نہیں؟

رسول اُمّی سے مراد کیا ہے؟

- ۱۔ اس بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ
- ۲۔ وہ دلائل و شواہد جو اس موضوع کو قطعی قرار دیتے ہیں۔
- ۳۔ قرآن مجید جناب رسالتاً کو جاہل نہیں بلکہ امتیٰی یعنی ماخوذہ کا لقب دیتا ہے۔

پہلی دلیل

جناب رسالتاً کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

قرآن جو ہم مسلمانوں کی نظر میں ایک آسمانی کتاب اور عیسائیوں کی نظر میں آسمانی نہ سہی تو کم از کم ایک حتمی تاریخی سند ضرور ہے رسول اسلام اکا تعارف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

ما كنت متلو من قبله من كتاب ولا تحطه بهيئتك اذ
لا رتاب المبطون^۱

یعنی نزول قرآن سے پہلے تم نے نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا وگرنہ بدخواہ کا فرمایا ہوا ہے آئین میں شک کرتے۔

اگر جناب رسالتاً بچپن میں کتابوں کے پیچھے پڑتے اور نوعمر بچوں کی طرح دیکھنے پڑھنے کی مشق کرتے تو کیا وہ نزول قرآن کے بعد مکہ میں اس گروہ کے درمیان اپنی آواز بلند کر سکتے تھے جو آپ کی تمام خصوصیات زندگی سے واقف تھے اور یہ کہہ سکتے تھے کہ اے لوگو تم سب اس بات سے واقف ہو کہ میں نے قبل بعثت نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ کوئی سطر لکھی، پھر تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ میں نے قرآن

کی آیات اور اس کے مضامین کو دوسری کتابوں سے لیا ہے۔ عربی زبان میں اگر کوئی کہے "ما جاء من أحد" (یعنی لفظ "من" جو زائد ہے استعمال میں لائے تو اس سے اس کی مراد نفی میں تاکید ہے یعنی قطعی طور پر کوئی نہیں آیا۔ مذکورہ جملہ اور "ما جاء من أحد" کے جملہ میں فرق یہ ہے کہ دوسرے میں احتمال کی گنجائش ہے یعنی دو، ایک آدمی آئے مگر مستحکم لئے لا پرواہی سے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔ عرب اس رفع احتمال کے لئے لفظ "أحد" کے ساتھ "من" کا اضافہ کر دیتے ہیں تاکہ نفی میں حقیقت اور واقعیت آجائے۔

التقاء اور یہی آیت کا ہی انداز ہے اور اس میں رفع احتمال قوی کے لئے لفظ "من" کو تاکید نفی کے طور پر لایا گیا ہے تاکہ نفی میں استغراق واقعی پیدا ہو یعنی کسی قسم کی کتاب نہیں پڑھی۔

عربی زبان کے قواعد میں یہ بات ہے کہ سیاق نفی (ما جاء من أحد) میں مکہ (أحد کتاب) مفید استغراق ہے خاص طور پر جبکہ اس میں "من" زائد آیا ہو۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی جب مذکورہ استدلال پر توجہ گئی تو انہوں نے آیت کے استدلال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔
قرآن میں کتاب ہر قسم کی کتاب اور تحریر کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تورات اور انجیل کی مقدس اور مذہبی کتابیں ہیں جو عربی زبان میں نامانوس ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ آپ اپنی باتوں کو ان کی مقدس کتابوں سے نقل کرتے تھے چنانچہ مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ پیغمبر اکرم

قرآن سے قبل نازل ہونیوالی مقدس کتابوں کی زبان سے ناواقف تھے نہ یہ کہ آپ عربی میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے جو آپ کی مادری زبان تھی اور قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا تھا۔

آیت پر ڈاکٹر صاحب کا تصرف و تاویل مہمل ہے۔

الف: آیت میں لفظ ”کتاب“ بصورت ”نکوہ اور بغیر“ الف لام کے آیا ہے اور ”نکوہ“ ما کنت تتلو کے منفی جملہ کے بعد اس دستد کے مطابق ہے ہم نقل کر چکے ہیں عربی، عبری، فارسی، سریانی ہر قسم کی کتاب کی نفی کے باب میں آئے گا۔ اس میں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے صرف خاص قسم کی مقدس کتابوں کی نفی مراد نہیں ہوگی اور یہ قاعدہ ناقابل استثناء رہے۔ قرآن مجید میں مذکورہ جملے کی طرح بہت سے جملے آئے ہیں جیسے ”ومن یشہن اللہ“ فمالہ من مکرم جسے خدا ذلیل و خوار کرتا ہے اسے کوئی برتری نہیں دے سکتا۔

آیت میں کتاب سے مراد مطلق کتاب ہے خواہ وہ عبری زبان میں ہو یا عربی میں۔ اس کے قبل کی آیت میں انجیل اور تورات کے متعلق جب گفتگو ہوتی ہے تو لفظ کتاب الف اور لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جو اس کی خصوصیت اور معروفیت کی طرف اشارہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ، فالَّذِينَ آمَنُوا هُمُ الْكِتَابُ
يُؤْمِنُونَ بِهِ، وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ، وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ
یعنی اسی طرح ہم نے تمہاری طرف کتاب کو نازل کیا اور جن کو ہم نے کتاب
(انجیل و تورات) دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارے آیات کا انکار
نہیں کرنے لگے مگر کافر۔

لیکن زیر بحث آیت میں لفظ کتاب الف لام کے بغیر بطور مکرہ استعمال
ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ يُدْرِكُ آيَاتِ فِيهِ عَمَدِينَ
کی کتاب میں مقصد ہوتی تو پچھلی آیت کی طرح لفظ کتاب الف لام کے ساتھ بطور
معرضہ استعمال ہوتا اور آیت یوں ہوتی۔ مَا كُنْتُمْ تَتْلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ الْكِتَابُ
ب : یہ جو دعویٰ ہے کہ قرآن میں لفظ کتاب ہر قسم کی کتاب اور
تحریر کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف تورات و انجیل کی مقدس اور مذہبی
کتابیں ہیں صحیح طور پر واضح نہیں۔ میں ابھی ان آیات کو پیش کرتا ہوں جہاں
عہدین کی کتابیں مراد نہیں ہیں بلکہ لفظ کتاب کو مقدس کتابوں کے علاوہ
مختلف مصداق میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کتاب، قرآن کے مفہوم میں۔ ذلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ،
۲۔ کتاب، بمعنی فرض جس کو خدا نے ہم پر رکھا ہے اور ہمارے لئے
واجب قرار دیا ہے، وَالْمُحْسَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

کتاب اللہ علیکم مد (نساء آیت ۲۴)

یعنی شوہر دار عورتیں تمہارے لئے حرام ہیں مگر وہ مشرک عورتیں جو تمہاری
تیم میں آجائیں ادنیٰ بات اللہ کی طرف سے تمہارے لئے لکھ دی گئی ہے
اس کے علاوہ سورہ یقر کی دوسو پینتیسویں آیت بھی اسی مفہوم کی حامل ہے
۳۔ کتاب، بمقدم صفحہ ہستی اور کتاب تکوین و صمان دایہ فی الارض
ولا طائر یطین یجنا صیبا الہام امثالکم ما قرطنا فی الکتاب
من شئی ثم الی ربہم یحشرون (سورہ النام - آیت ۳۸)
یعنی زمین پر رہنے والے کیڑے اور فغاؤں میں اپنے دونوں بازوؤں سے
اڑنے والے پرندے تمہاری طرح کی امتین ہیں اور ہم نے عالم تخلیق میں کسی شے
کو نہیں چھوڑا، اور سب کی بازگشت ہمارے پروردگار کی طرف ہوگی۔

۴۔ کتاب، یعنی لوح محفوظہ قال علیہا عند ربی فی کتاب کا
یفضل ولا یشی (طہ - ۵۲)

یعنی گزشتہ حوادث کا علم میرے پروردگار کے پاس محفوظ ہے
نہ وہ اسے کوئلہ ہے اور نہ فراموش کرتا ہے۔ اور اسی طرح سب، فاطر
اور مخلک کے سورتوں کی تیسری، گیارہویں اور ستادہویں آیتیں۔

۵۔ کتاب بمعنی، نامۃ اعمال۔ ما لہذا الکتاب کا یغافر صغیرہ
ولا کبیرہ الا اعصیہا (سورہ کہف - آیت ۴۹)

یعنی یہ کیسی کتاب ہے؟ اس میں تو چھوٹا بڑا، کوئی عمل نہیں چھوڑا ہے
اور ہر چیز کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے، سورہ مومن، سورہ سبا اور سورہ زمر
کی باسٹھویں، تیسویں اور انتالیسویں آیتیں بھی اس مفہوم کی حامل ہیں۔
۱۔ کتاب، یعنی ذاتی خط و۔ الحق الی کتاب کوہم۔

یعنی ایک خط مجھے موصول ہوا ہے۔

مختلف مصادیق میں استعمال ہونیوالی ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب سے مراد صرف عہدین کی کتابیں نہیں ہیں۔ ان تمام آیتوں کے باوجود جناب ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ لفظ کتاب قرآن میں صرف انجیلی تورات اور اسی طرح کی مقدس اور مذہبی کتابوں کے مفہوم آیا ہے۔

ج ۲۔ اگر آیت کا یہ مفہوم ہو کہ جناب ختمی مرتبت نے قبل بعثت انجیل اور تورات کی مقدس کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے تو خدا کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ جناب رسالتاً نے جن کا مدتوں بکھنے پڑھنے سے سرور کا رمل۔ بعض نصاریٰ اور یہود کی مدد سے قرآن کے مطالب کو ان کی کتابوں سے استخراج کر کے عربی قالب میں ڈھالا اور انہیں انبرک کیا جیسا کہ سورہ فرقان میں مشرکوں کی زبانی اس احتمال کو پیش کیا گیا ہے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْفُلْكِ الْمُتَّبِعِ

علیہ قوم انخروا فقد جاء وظلما و ذروا (فرقان - ۴۲)

کافر یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو خدا پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور کسی اور گروہ نے اس سلسلے میں پیغمبر کی مدد کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بارے میں ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید اس احتمال کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔

تمہیں (اے پیغمبر) بکھنے پڑھنے سے کبھی سرحد کا نہیں تھا۔ تم نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی اور نہ ہی کبھی قلم کا غد پر رکھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نکتہ چینی کرنے والے تمہارے آئین پر شک کرتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر آپ اس آیت کو کسی بھی عرب یا عربی زبان سے واقفیت

رکھنے والے شخص کے سامنے پیش کریں گے تو وہ یہی کہے گا کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جناب رسالتاً کو لکھنے پڑھنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

علاوہ بری اگر کتاب سے مراد ہی مقدس کتابیں ہوں تو اسی صورت میں دلائل کا جملہ اضافی ہو گا کیونکہ جب پیغمبر مذکورہ کتابیں نہ پڑھ سکتے ہوں تو ظاہر ہے وہ انہیں لکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایسی صورت میں دلائل کا کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ (غور فرمائیں) نقطہ کی ضمیر کتاب کی طرف جاتی ہے، لیکن جیسا کہ ہم اس کا مفہوم بتا چکے ہیں اس جملہ کا استعمال بڑا سودمند ہے کیونکہ اس سے عبارت بڑی صاف اور واضح ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے ہم کہتے ہیں: نلال شخص کو لکھنے پڑھنے سے قطعی کوئی سروکار نہیں ہے اور وہ بالکل لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔

دوسری دلیل - شواہد و براہین

گذشتہ دلائل کے علاوہ جناب رسالتاً کے بارے میں ایک مختصر علمی تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے ہرگز حصول علم کیلئے جدوجہد نہیں کی۔

۱۔ تمام تاریخی اور حدیثی اسناد میں خواہ وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح آج اس وقت تک جب میں یہ صفحات لکھ رہا ہوں کبھی کسی نے یہ نہیں لکھا کہ جناب رسالتاً نے بچپن میں دوسرے لڑکوں کی طرح تعلیم حاصل کی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دوست اور دشمن دونوں ہی اس بات کو نقل کرتے۔

۲۔ وہ مسلمان جنہوں نے جناب ختمی مرتبت کے ناخن اور خوطے مبارک کو آج تک محفوظ رکھا ہے اور کبھی مومن مبارک کی گمشدگی پر پاکستان میں

وہ ہنگامہ کھڑا ہوتا ہے کہ دشمن جناب رسالتؐ آپ کی یادگار سے متعلق مسلمانوں کے عقیدہ و احترام کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی تحریروں اور نوشتوں کو کھودیں اور انہیں اموی ہمارے کتبہ ہیبت بھی نہ دیں۔ اگر جناب رسالتؐ آپ نے کچھ لکھا ہے تو وہ تحریریں کہاں ہیں؟

۳۔ خداوند عالم نے دشمنوں اور بدخواہوں کی راہ روکنے اور سادہ دل لوگوں کو ان کی گمراہی سے بچانے کے لئے اور اس گفتگو کو ختم کرنے کے لئے کہ آپ نے اپنی اعلیٰ تعلیماتی صلاحیتوں کی بنیاد پر قرآن کو از خود بنایا اور اسے دیگر آسمانی کتابوں سے نقل کیا، آپ کے محل رشد و نمو کو ایک ایسی جگہ قرار دیا جہاں آپ عمر بھر تعلیم حاصل نہ کر سکیں اور جہاں مدرسے، اسکول اور لکھنے پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

۴۔ اگر جناب رسالتؐ آپ ایک ماہ بھی کسی کے آگے زانوی ادب طے کرتے تو اس معلم کا تمام خاندان بلکہ اس کا قبیلہ بھی بعد میں آپ کی عظمت کے دوران اس خدمت کو دتا دیز قرار دیکر آپ سے اس کے بدلے کا خواہاں ہوتا۔

جناب ختمی مرتبت نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی تھی "علیمہ" نامی اس قبیلہ کی عورت نے تقریباً ۲۰ سال تک آپ کو دودھ پلایا تھا اور چند سال آپ کی خدمت کی تھی پچاس سال بعد اسلامی غزوات میں جیب قبیلہ بنی سعد کی ایک شاخ قبیلہ ہوازن کے زن و مرد گرفتار ہوئے تو سب جناب ختمی مرتبت سے معافی اور رخصت نامے سے خواستگار ہوئے، اور اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے بنی حلیہ کے دودھ پلانی کے مسئلہ کو دستاویز بنا کر انہوں نے عرض کی کہ اپنی رضائی ماں کی خدمات کے صلے میں ہمارے مردوں کا قصور معافی اور ہماری عورتوں کو آزاد کر دیں اور ان غنائم کو ہمیں واپس لوٹا دیں جو آپ کی فوج نے میدان جنگ میں حاصل کیا ہے۔

آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تعظیم و تحفیل ان لوگوں کے لئے باعث افتخار ہے جو

اس راہ کے علاوہ درک حقائق سے عاجز ہوں، لیکن وہ جو آسمانی مربیوں کے زیر پرورش اس مقام تک پہنچا ہوا اس کے لئے کوئی حجاب باقی نہ ہوا اور جو دیدہ دل سے حقائق کو درک کرتا ہوا اس کے لئے ظاہری تعلیم باعث افتخار نہیں۔ وہ رسولان گرامی جی کے معلمین فرشتے ہوں اور جنہوں نے غیبی اور حسی الواح کو تعلیمِ خداوندی پڑھا ہوا اور ان سے واقف ہونے والے ان کے لئے زیب نہیں دیتا کہ وہ ناقص معلمین کے حضور زانوئے ادب طے کریں۔

ان دلائل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی نظر

جب ڈاکٹر صاحب اس بات کو طرفِ منوجہ ہوتے ہیں کہ جناب رسالتِ مآب کی تاریخ حیات میں کہیں یہ جملہ نہیں ملتا کہ: جناب ختمی مرتبتؐ نے کسی کے حضور زانوئے ادب طے کیا ہے تو یہ غذر پیش کرتے ہیں کہ: آپ کی بچپن اور جوانی سے متعلق زندگی پوری طرح ضبط تحریر میں نہیں آئی ہے۔

جواب ۱۔ جب ہم جناب رسالتِ مآب کی بچپن اور جوانی سے متعلق زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ لکھنے والوں نے آپ کی زندگی کے ایسے واقعات کا تذکرہ کیا ہے جس کی اہمیت اس موضوع کے سنجیدہ کو بھی نہیں پہنچ سکتی اور اگر یہ بات حقیقت رکھتی تو ہر اعتبار سے قابل ذکر تھی، اگر آپ تاریخ اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ جناب ختمی مرتبت کی بعثت سے قبل کی زندگی کے عنوان سے ان کتابوں نے ذیل کے مباحث پر گفتگو کی ہے:

- جب آپ عرصہ حیات میں تشریف لاتے ہیں تو کفر کی دنیا میں آثارِ ضعف و رونا ہوتے ہیں۔

- تین دن مادرِ گرامی کا دودھ پیتے ہیں۔

- چار مہینے ابو لہب کی کنیر آپ کو دودھ پلاتی ہے۔

لہ وعلو آدمہ لا سماء کلہا ثم عر ضہ علی الملأ ثم (سورۃ البقرہ - آیت ۲۶۰)

- دایوں میں جناب حلیمہ کو دودھ پلانے کا شرف ملا۔
- جناب حلیمہ سعدیہ آپ کو ایک صحرا میں لے جاتی ہے۔
- نومو لوہ کی برکت سے جناب حلیمہ کی زندگی سدھر جاتی ہے۔
- جناب حلیمہ روزانہ آپ کو صحرا میں اپنے بچوں کے ساتھ گھومتے بھیتتی ہیں۔
- حفاظت کی غرض سے مہرہ یمانی پہنانے وقت دایہ سے جناب ختمی مرتبت کی نگہ لگوا۔

- چھ سال عمر میں آپ جناب عبدالمطلب کی کفالت میں آتے ہیں۔
- اپنی والدہ گرامی کے ساتھ مدینہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے جاتے ہیں۔
- نوٹیتے وقت آپ کی والدہ گرامی "ابواء" نامی ایک مقام پر رحلت اختیار کرتی ہیں
- جناب عبدالمطلب جناب ختمی مرتبت کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔
- دس برس کی عمر میں آپ جنگ بنجار میں شرکت فرماتے ہیں۔
- اس جنگ میں آپ کی ذمہ داری؟
- ۱۲ سال کی عمر میں آپ شام پہنچے ہیں۔
- آدھے راستہ میں راہب کا واقعہ پیش آتا ہے۔
- جناب ابوطالب آپ کو بارش کی دعا کے لئے صحرا میں لے جاتے ہیں۔
- جناب رسالتماہ دوسرے انبیاء کی طرح بکریوں کی خدمت کرتے ہیں۔
- جناب ابوطالب کے حکم سے جناب خدیجہ کی تجارت سنبھالتے ہیں۔
- "میسرہ" آپ کے خصوصیات سفر کو نقل کرتا ہے۔
- آپ ۲۵ سال کی عمر میں جناب خدیجہ سے عقد فرماتے ہیں وغیرہ....
- کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جناب رسالتماہ نے کسی مدرسہ یا مکتب میں تعلیم حاصل کی ہو اور دوسروں کی طرح لکھنے پڑھنے سے شغف رکھا ہو اور تاریخ نویسوں نے

نظر انداز کر دیا ہو۔ حالانکہ دعوت اسلام میں یہ امر بڑی حساسیت کچھ حامل ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کھٹے والوں نے جنگ فجار میں جناب رسالت کے تیر چلانے اور اپنی رضائی والدہ سے گفتگو تک کو نقل کیا ہو مگر اتنے اہم موضوع سے اجتناب برتنا ہو یا اسے نظر انداز کر دیا ہو۔

ہم جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف اور آپ کے ساتھی ڈاکٹر محمد یوسف الدیوب صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ جناب رسالت کی زندگی سے متعلق تمام خطی اور طباعت شدہ اسنادیں چھان بین کے باوجود یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ نے کسی کے آئے زائوئے ادب کی بنا پر کسی سے تعلیم حاصل کی ہو۔ آپ کی زندگی میں کسی ابہام کی گنجائش نہیں۔ آپ کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں۔ آپ کی زندگی کے تمام گوشے بڑے واضح اور روشن ہیں۔ اگر آپ کے ملاحظہ میں یہ بات ہے کہ آپ کے بچپن اور جوانی سے متعلق تاریخ کے صفحات بعثت کے بعد کی زندگی سے قعدا دیں کم ہیں تو یہ اس لئے ہے کہ آپ کی زندگی قبل بعثت یکساں نوعیت کی تھی۔ آپ کا بسا اوقات کبھی بیابانوں میں کبھی تجارت میں اور کبھی غاروں میں ہوتا۔ آپ کوئی انقلابی شخصیت نہیں تھے۔ تقریر و خطابت سے بھی آپ کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ آپ لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے اور ان کی گناہ آلود زندگی سے دور رہتے تھے۔ لیکن بعد بعثت آپ کی زندگی کا طریقہ بدل گیا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی واقعہ رونما ہونے لگا۔ مختلف گروہوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست ہونے لگی تھی۔ اس بنا پر یہ سوال درست نہیں کہ آپ کی بعثت سے قبل کی تاریخ حیات بعد بعثت سے مختصر کیوں ہے؟

برہان و دلیل کے بجائے جذبات و احساسات :-

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ جناب رسالت

نے مدتوں مدرسے میں تعلیم پائی برہان اور دلیل کے بجائے جذبات اور احساسات سے کام لیا اور کہا: "کیا یہ بات قابل فہم ہے کہ حقیقی مرتبت کے دادا جناب عبدالمطلب آپ کو ان تمام قریشی اطفال سے جدا رکھیں جو حصول علم کے لئے مدرسے جایا کرتے تھے۔ دراصل ان کے لئے وہ خود آپ کو ایک ایسا فرد دیکھنا چاہتے تھے جو تاریخ عرب میں کسی بڑے کو اور

حامل ہو۔"

اور پھر کہتے ہیں: "کیا یہ تصور ممکن ہے کہ جناب ابوطالب جو اپنے فرزند کو علم و دانش کی تعلیم دیتے تھے اپنے بڑے بھائی کی تعلیم سے غافل رہیں۔ ایک محقق اور حقیقت پسند انسان کے یہ دو استدلال واقعی قابل تعجب ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب ختمی مرتبت کی ولادت کے ۳۰ سال بعد اس عالم شہو دیں آنکھیں کھولیں اور یہ بات ہرگز واضح نہیں کہ ان دونوں ادوار میں زندگی کے طور طریقے یکساں رہے حتیٰ کہ یہ بھی واضح نہیں کہ جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے لکھتے پڑھنے کو حضرت ابوطالب سے سیکھا ہے بلکہ جناب ابوطالب علیہ السلام کی تعلیم بھی بجز قیاس کسی سند کی حامل نہیں۔ آپ کے فصیح و بلیغ خوبصورت اور دلنشین اشعار آپ کی تعلیم کی دلیل نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے کے جاہل عربوں کو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر تخلیقی ملکہ حاصل تھا۔ اور ان کا ان پڑھ طبقہ بھی خوبصورت سے خوبصورت اشعار لکھتا تھا اور یہ خود عرب کی تاریخ جاہلیت میں ایک حساس اور قابل غور باب ہے۔ ان کے اشعار ان کے فطری ذوق اور قدرتی کمالات کا نتیجہ ہے اور اس کا ان کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر ڈاکٹر صاحب کی دوسری بات آتی ہے کہ جناب عبدالمطلب کیونکر اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ جناب رسالتاً، اسکول جانے والے اپنے تمام اہم ساتھیوں

سے پیچھے رہ جائیں۔

یہ استدلال ایک لغو اور واہی تصور کی پیداوار ہے انہوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ مکہ ان دنوں تمدن کا مرکز تھا اور اس میں مدرسے، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں موجود تھیں۔ اور ماں باپ اپنے بچوں کے داخلے کیلئے سرچلکے پھرتے تھے اور بچے صبح سویرے تیار ہو کر اسکول جایا کرتے تھے۔

ہم اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں اس بات کو ثابت کریں گے کہ مکہ میں ہرگز ایسی کوئی درسگاہ یا منظم مدرسہ موجود نہیں تھا جس کے ڈاکٹر صاحب دعویٰ دار ہیں۔ ایک ایسی فقہ اور ایسے ماحول میں جہاں طلوع آفتاب نبوت کے وقت پوری حکمت کی آبادی میں سترہ یا اس سے بھی کم افراد زینتِ علم سے آراستہ ہوں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہاں منظم مدارس اور درسگاہوں کا انتظام تھا۔

آپ اس موضوع کو تفصیل کے ساتھ کتاب کے دوسرے حصے میں اہل مکہ میں علم و دانش کی صورت کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں ہم صرف اسی حد تک اکتفا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مکہ کو علم و دانش کے شہر کی حیثیت دیتے ہیں جب کہ مکتب اسلام کے ممتاز شاگرد جناب امیر المؤمنین علی السلام وہاں کی جاہلیت کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر کے اس دور کے تمدن کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا نَذِيْرًا لِلْعٰمِيْنَ وَاَمِيْنًا عَلٰى النَّسْرِ، وَاَنْتُمْ

مَعَشَرَ الْعَرَبِ عَلٰى شُرَدِيْن وَفِيْ شُرَدَارٍ مِّنْ يَّخُوْنَ بَيْنَهُمْ حِجَارَةٌ نَّحْشٌ وَحَيَاتٌ صَحْمٌ، تَشْرَبُوْنَ الْكَدْرَ، وَتَاْكُلُوْنَ الْجَشْبَ وَتَسْفِكُوْنَ دِمَآئِكُمْ وَتَقَطِّعُوْنَ اَرْحَامَكُمْ، اِلَّا صَنَامٌ فَيَكُم مِّنْ صُوْبِهِ وَاِلَا ثَامٌ يَّكُم مِّنْ عَصْوٰةِ

یعنی خداوند نے جناب رسالت مآب کو عالمیوں کے لئے ڈرانے والا

بنا کر بھیجا۔ آپ کو اپنا امین وحی مقرر کیا اور ایسے عالم میں بھیجا جب تم عرب کے لوگ
بذریعہ قانون کے ساتھ بدترین منزل پر زندگی گزار رہے تھے۔ تمہاری زندگی سستلاچ
زمین میں ان سانپوں کے درمیان تھی جو تمہاری چیمچ و پکار سے نہیں ڈرتے تھے۔
تم لوگ گندہ پانی اور دی غوراک استعمال کرتے تھے، ایک دوسرے کا خون بہاتے
تھے، قطع ارحام کرتے تھے۔ تمہارے درمیان عبادت کے لئے بت نصب تھے۔
اور تم نگاہ سے دوری اختیار نہیں کرتے تھے۔

کیا سنگلاخوں میں زہریلے سانپوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے والی اس قوم
کو ایک ایسی ثقافت کا حامل کہا جاسکتا ہے۔ جس کے ڈاکٹر صاحب دعویٰ رہے ہیں۔
اس کے بعد شیعہ دنیا کے عظیم پیشوا اپنے ایک اور غلطی میں بعثت سے قبل کی حالت
کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

”ان الله سبحانه بعث محمداً وليس احد من العرب
يقرا كتاباً ولا يد عن نهوه افساق الناس حتى بواهم محلتهم“
یعنی خداوند عالم نے جناب رسالت کو اس وقت رسالت پر مبعوث کیا۔
جب عرب میں کوئی کتاب پڑھنے والا نہیں تھا اور نہ کسی نے دعویٰ کیا تھا کہ کوئی کوہدایت
فرمائی۔ اور انہیں اپنے مقام سے آشنا کرایا۔

وہ قوم جو مدد رسوں، اسکولوں، مکتبوں اور درس گاہوں کے درمیان ہو
کیا ممکن ہے کہ اس میں کوئی کتاب پڑھنے والا نہ ہو۔ مگر اور عربستان سے متعلق وہ لمبی چوڑی
ثقافت جس کا ڈاکٹر صاحب نے دعویٰ کیا ہے یقیناً کچھ لوگوں کو کتابوں سے دلچسپی کی طرف
ابھارے گی۔ خواہ وہ کتابیں مذہب پر مبنی غیر عربی زبان سے، سوں یا عربی زبان سے
ہم اس بات پر مضطرب نہیں کہ جناب امیر المومنین امام المنتفق علیہ السلام کے خطبہ میں
لفظ کتاب بطور مطلق استعمال ہوا ہے بلکہ اس سے مراد احتمالاً وہی عیسائیوں اور

نہ نبی البلاغہ — خطبہ ۳۳

یہودیوں کی مذہبی کتابیں ہوسکتی ہیں لیکن جس پھیلی ہوئی ثقافت کا ڈاکٹر صاحب نے دعویٰ کیا ہے اس میں قطعی طور پر ایسے گروہ کا ہونا ضروری ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں سے واقف ہو حالانکہ جناب امیر المومنین علیہ السلام ایسے افراد کی نفی فرماتے ہیں۔

ہوائی قلعے بجائے تاریخ ۱۔

اس دانشمند نے تاریخ میں ہوائی قلعوں کی تعمیر کی ہے اور تاریخ پر توجہ دینے کے بجائے حدیث و تخمین کا سہارا لیا ہے۔ ہم اب اس جزیرہ نمائی عرب کے چہرے کو تاریخ کے صحیح متون کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے اپنی بحث کو اختتام پر پہنچاتے ہیں مشہور مورخ بلازری جزیرہ نمائی عرب کی ثقافت کے بارے میں لکھتا ہے "حمی وقت عمر بن حجاز پر اسلام آیا ذیل سے کلا سترہ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے۔

۱۔ حضرت عمر بن خطاب (۲) جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام

۲۔ حضرت عثمان (۳) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح

۵۔ حضرت طلحہ (۶) یزید بن ابی سفیان

۷۔ ابو حنیفہ بن عقیبہ بن ربیعہ (۸) حاطب بن عمرو

۹۔ ابوسلمہ الخزرجی (۱۰) ابان بن سعید

۱۱۔ خلد بن سعید (۱۲) عبداللہ بن سعید بن ابی مرثد

۱۳۔ حویطب بن العزی (۱۴) حویطب بن عبد العزی العامری

۱۵۔ ابوسفیان بن امیہ (۱۶) معاویہ بن ابی سفیان

۱۶۔ جہیم بن الصلت اور قریش کے حلیفوں میں صرف ایک شخص "العلاب بن حمزہ"

لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

عورتوں میں حضرت حفصہؓ ام کلثوم بنت عقب اور کرمیہ بنت مقدار لکھنے پڑھنے سے واقف تھیں۔ اس کے علاوہ عائشہ بنت سعد نے یہ تعلیم اپنے باپ سے حاصل کی تھی۔

"یشرب" کے تعلیم یافتہ افراد

جب اسلام "یشرب" (مدرسہ) میں داخل ہوا تو وہاں کے لکھنے والوں میں ذیل کے یہ افراد تھے:

- | | |
|--------------------------------|-------------------|
| (۱) سعد بن عبادہ | (۲) منذر بن عمرو |
| (۳) ابی بن کعب | (۴) زید بن ثابت |
| (۵) رافع بن مالک | (۶) اسد بن حفصیر |
| (۷) معز بن عدی (انصار کے حلیف) | (۸) بشیر بن سعد |
| (۹) سعد بن الربیع | (۱۰) ادیس بن خولی |
| (۱۱) عبداللہ بن ابی | |

مرکزی حیثیت رکھنے والے حجاز کے دو حساس ترین مقامات میں تعلیم یافتہ افراد کی تعداد ۲۸ سے زیادہ نہیں تھی۔ ایسی حالت میں اگر جناب عبداللہؐ جناب رسالتؐ کو مدرسہ بھیجیں تو کیا انہوں نے آپ کے حق میں ظلم یا بے مہری سے کام لیا ہے یا یہ کہ اصولاً وہاں کوئی مکتب یا مدرسہ ہی نہیں تھا، وہ گئے جنے لوگ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی صورت بھی مکمل طور پر استثنائی تھی۔

تیسری دلیل

قرآن نے جناب رسالت مآب کو جاہل نہیں بلکہ ”اُمّی“ (یعنی ناخواندہ) کا لقب دیا ہے۔ اور آپ کی یہ صفت سورہ اعراف کی ۱۵۷ اور ۱۵۸ آیتوں میں اس طرح وارد ہوا ہے :

”الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ...“

یعنی جو لوگ اس ناخواندہ رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کا تذکرہ تورات و انجیل میں ان کے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔

”... فَأَمَّا تُولَاءِ اللَّهِ فَاُولَئِكَ هُمُ الْاُمِّيُّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلَامَاتِهِ وَاتَّبَعُوهُ لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُونَ“

یعنی ”پس خدا اور اس کے اس ناخواندہ“ نبی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے کلمات پر یقین رکھتا ہے تاکہ تمہیں ہدایت کی روشنی ملے۔“

قرآن نے ان دو آیتوں میں جناب رسالت مآب کے لئے ”اختصاصی“ صفات کا ایک سلسلہ رکھا ہے۔

۱۔ رسول ہے ۲۔ نبی ہے ۳۔ اُمّی ہے ۴۔ اس کے شمائل و خصائل تورات و انجیل میں درج ہیں اور دیگر اوصاف کا ایک سلسلہ جو مذکورہ آیت کے ذیل میں آیا ہے۔

”اُمّی“ کا مفہوم تلاش کرنے کے لئے ہم تفاسیر اور لغت کی تمام کتابیں آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ سب نے بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ عربی زبان میں ”ناخواندہ کو“ اُمّی کہا جاتا ہے۔ اور درحقیقت تحت الملقب اعتبار سے

”اُمّی ماں کے مفہوم میں ”ام“ سے منسوب ہے اور آخر میں ”ی“ یا ”ے“ نسبت ہے۔ اور ”ناخواندہ“ ہونے کے مفہوم میں یہ کنایہ اس لئے ہے کہ جو شخص شکم مادر سے متولد ہوتا ہے وہ عم و دانش اور فنون و صنایع سے بے بہرہ ہوتا ہے اور اگر برسوں بعد بھی وہ اپنی اسی حالت پر باقی رہے تو ایک نو مولود بچے سے مختلف نہیں ہوتا اسی لئے سن تین کو پہنچنے والے ان لوگوں کو بھی ”اُمّی“ کہا جاتا ہے جو معلومات سے بے بہرہ ہوں۔

اس استدلال پر ہندوستانی دانشور کا جواب

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اوپر کے مفہوم کو لیتے ہوئے ”اُمّی“ پر دو اور مفہوم کا اضافہ کیا:

۱۔ اُمّی وہ ہے جو مکہ میں پیدا ہوا ہو، کیونکہ مکہ کے ناموں میں سے ایک نام ”ام القری“ بھی ہے اور ”ام“ پر یائے نسبتی لگانے سے ”اُمّی“ ہو جاتا ہے۔

۲۔ اُمّی ان افراد کو بھی کہا جاتا ہے جو قدیم سامی فنون سے ناواقف ہوں اور جو دینِ مسیح یا دینِ یہود کے پیروکاروں یا باصطلاح قرآن اہل کتاب سے نہ ہوں۔ اب جب اُمّی کے یہ تین مفہام ہیں تو آخر ہم نے اس پہلے مفہوم کو کیوں اختیار کیا ہے۔ اُمّی سے متعلق ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ ذیل کی وجوہات کی بنا پر مہمل اور ناقابل قبول ہے:-

۱۔ وہ مرکب جس میں ترکیب اضافی ہو اور اس کے آغاز میں لفظ ”اب“۔ ”ابن“۔ ”یا اُم“ آئے تو نسبت دیتے وقت اس کا ابتدائی لفظ

خلاف ہو کر اس کے آخر میں یا ئے نسبتی لایا جاتا ہے۔ جیسے "ابن الزبیر" کیلئے
زبیری۔ "ابی بکر" کے لئے بکری وغیرہ۔ اس بنا پر اگر ہم کسی کو ام القری
سے نسبت دینا چاہیں تو ہمیں کہنا ہو گا "قری" نہ کہ "امی"۔ اور اس اصول
کے بارے میں الفیہ بن مالک کا ایک شعر نقل کرتا ہوں۔

اضافہ بدوہ بابن ابواب او ملہ التعریف بالتانی وجب

۲۔ سورہ اعراف کی ۱۵۷ و ۱۵۸ آیتوں میں مذکور ہر ایک صفت
ایک خاص مقصد کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ اور لفظ "امی" کو پیغمبر کی
توصیف میں ان کی غیر معمولی قوت بیان کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ آپ
باوجود امی ہونے کے اس عظیم مقام پر فائز ہوئے ہیں اور اس کا بیان
سورہ جمعہ میں موجود ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا ہے:-

"هو اذی بعث فی الامیین رسولا منهم تنلوع علیہم

ایاتہ ویزکیضہم وعلیہم الکتاب والحکمہ"

یعنی وہ خدا جس نے ناخواندہ لوگوں کے درمیان انہیں میں سے
ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور یہ پیغمبر امی ہونے کے باوجود انہیں کتاب و
حکمت کا درس دیتے ہیں۔

یہ مقصد اور یہ اظہار قدرت اسی وقت درست ہو سکتا ہے اور
اس میں فوراً اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب لفظ "امی" ناخواندہ کے
مفہوم میں آئے وگرنہ مکمل یا مدنی ہونے سے کوئی بات نہیں بنتی۔

۳۔ ام القری یعنی مرکز دیہات، یہ مکہ کا نام نہیں بلکہ ایک وضعی

مفہوم کا حامل ہے اور ہر اس جگہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو آبادیوں کا مرکز ہو۔ لہذا اگر مکہ آبادیوں کے درمیان ہونے کے اعتبار سے ام القری ہے تو طائف، یثرب اور بخران وغیرہ بھی ام القری ہیں۔ ذیل کی آیت پر توجہ اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :-

”وما كان من بلد مصلحاً لقرى حتى يبعث في امها رسولا“

(قصص ۵۹)

یعنی تمہارا پسوردگار ہرگز دیہات کے رہنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے مرکز میں کسی رسول کو مبعوث فرمائے۔ (اور لوگ اس کی نافرمانی کریں)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس آیت میں ام القری مطلق طور پر دیہات کے مرکز کو کہا گیا ہے اور یہ لفظ کسی خاص جگہ کے لئے نہیں آیا ہے اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ ”چونکہ ام القری مکہ کا دوسرا نام ہے لہذا پیغمبر اسلام کو مکہ کہا گیا ہی ہے جیسا کہ مدنی کہنا۔“

۴۔ اُمی کا تیسرا مفہوم بھی اسی پہلے مفہوم سے متعلق ہے کیونکہ اگر قرآن میں غیر اہل کتاب (یعنی بت پرست اعراب) کے لئے لفظ اُمی آیا ہے تو وہ اس لئے نہیں ہے کہ اُمی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ نصاریٰ اور یہود کی مقدس کتابوں سے نا آشنا ہوں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ بت پرست عربوں کی اکثریت پڑھی لکھی نہ تھی اور سامی وغیرہ کسی متن سے ان کو سروکار نہیں تھا، لیکن یہود و نصاریٰ کی اکثریت کا مذہبی اور غیر مذہبی کتب سے بڑا حکم رابطہ تھا اور لکھنا پڑھنا بڑے وسیع پیمانے پر ان کے درمیان رائج تھا۔

اس رو سے کبھی لفظ "امی" کی نہ ہونے کی صورت میں بھی اہل کتاب کے مقابل استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:-

"وقل للذین اوتوا الكتاب والامیین اسلمتم" (آل عمران ۲۰)
یعنی کہہ دو اہل کتاب اور بت پرست عربوں سے کیا تم اسلام لائے ہو، اس کے علاوہ سورہ آل عمران آیت ۷۵ بھی اسی مفہوم کو پیش کرتی ہے۔

اور کبھی خود ہی لفظ "امی" اہل کتاب کے اس گروہ کے لئے استعمال ہوا ہے جسے پڑھنے لکھنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"ومنهم امیون لا یعلمون الكتاب الا ما فی" (لقمرہ ۷۸)
یعنی: اہل کتاب میں ایسے ناخواندہ لوگ بھی ہیں جو تورات کو صرف اپنے آرزوں کی کتاب سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر "امی" کا ایک مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ اہل کتاب سے نہ ہو بلکہ امی ناخواندہ شخص کو کہا جاتا ہے خواہ وہ بت پرست ہو یا اہل کتاب۔
مفسروں میں صرف علی بن ابیہریم نے سورہ جمعہ کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ:

"امیین ان افراد کو کہا جاتا ہے جو آسمانی کتاب کے حامل نہ ہوں، اس کے بعد وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مکہ کے لوگ لکھنا جانتے تھے، لیکن صاحب کتاب نہ ہونے اور کسی پیغمبر کے نہ آنے کی وجہ سے خداوند عالم نے انہیں "امیین" سے نسبت دی ہے۔

اس حدیث کا مضمون عین ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کے مطابق ہے لیکن دو وجوہات کا بنا پر ہماری گفتگو کی تائید کرتا ہے۔

۱۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ”امیین“ کا ابتدائی مفہوم ہی مطلق طور پر ناخواندہ ہوتا ہے مگر چونکہ مکہ کے لوگ دینی کتابوں کا علم نہیں رکھتے تھے لہذا مطلق ناخواندہ لوگوں کے مفہوم میں آنے والے لفظ کا اطلاق ایک خاص عنایت کے ساتھ ان لوگوں پر ہوا ہے جو خاص قسم کی کتابوں سے نا آشنا تھے۔

۲۔ اگر اس روایت کی رو سے ہم لفظ ”امیین“ کے بارے میں اس طرح کی توجہ بہ کومان لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مفرد ”امی“ کے بارے میں اس طرح کی خلاف واقع گفتگو ہمارے لئے قابل قبول ہو۔ خاص کر گذشتہ شواہد کے ملاحظہ کے بعد تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ گذشتہ بحثوں نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ جناب رسالتؐ نے روزِ بعثت تک کسی کے سامنے ذاتِ توئے تلمذِ حہ نہیں کیا اور اس دن تک کاغذ اور قلم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ بلاشبہ جہالت سے دور ایک ناخواندہ ”امی“ انسان تھے۔



پہلا سوال

کیا جناب ختمی مرتبت نبوت پر فائز ہونے سے پہلے اعجاز اور غیبی
توجیہات کے ذریعے لکھنا پڑھنا جانتے تھے ؟

تاریخ انما ز نزول وحی اس سوال کا کیا جواب دیتی ہے ؟
پچھلی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ درس گاہ وحی کے متاثر شاگرد
نے ان وقتوں کے معمولی سے مکتب میں بھی تعلیم حاصل نہیں کی اور ایک
دفعہ بھی قلم نہیں اٹھایا اور نہ ہی کسی لوح کا مطالعہ کیا، لیکن ابھی بحث
نکات کا ایک سلسلہ رہ جاتا ہے جن کا مدلل جواب ضروری ہے۔

۱۔ کیا عزیز قریش بعثت سے قبل بطریق اعجاز لکھنا پڑھنا جانتے
تھے اور اس پر انہیں قدرت حاصل تھی یا نہیں ؟

۲۔ اگر آئندہ دلائل اس بات کو ثابت کریں کہ حضور سرور کائنات
بعض مصلحتوں کی بنیاد پر قبل بعثت اس لطف و عنایت سے بے بہرہ رہے
تو کیا بعد بعثت یہ لطف و عنایت ان کے شامل حال رہی ؟

۳۔ اگر اس بات کے دلائل و شواہد ملیں کہ بعد بعثت حجابات کے
اٹھ جانے کے بعد آپ کو کھینے پڑھنے کی صلاحیت حاصل ہوئی تو کیا آپ
نے اس غیبی نعمت سے استفادہ کیا ؟ اگر کیا تو کیا یہ پڑھنے کی حد تک
تھایا اس میں مکتوب نگاری بھی شامل تھی ؟

ان سب باتوں کا جائزہ ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے۔

تنبیہ

ہمیں چاہیے کہ اس حقیقت سے غافل نہ رہیں کہ
یہ دور اس نعمت سے حصول منفعت اس زمانے میں ممکن نہیں تھا۔
یہ وہ دور تھا جہاں شاعری کی فضیلت پڑھنے لکھنے سے بڑھ کر تھی۔ ادبیات
عرب میں شعر سازی کی بنیادی حیثیت تھی، عرب اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر

دوسرا سوال

کیا جناب ختمی مرتبتؑ دوران رسالت لکھنے پڑھنے سے واقف تھے؟
ہمارا مسلحہ نظر صرف لکھنے پڑھنے کی توانائی ہے اس کا سبب ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر
سید عبداللطیف صاحب فرماتے ہیں۔

ارقام ریاضی کے تحت ڈاکٹر صاحب کے دلائل :-

۱۔ مفسرین نے قرآن کو دست برد سے بچانے کے لئے پیغمبر کو اُمّی لکھا ہے۔
مفسرین نے لوگوں پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن خالصتاً خدا کا کلام ہے
جناب رسالتؐ کو اُمّی اور جاہل وانمود کیا اور سوچا کہ اس طرح قرآن مجید خالص
صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے۔

جواب :- ڈاکٹر صاحب نے مفسرین کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ نہایت عجیب اور
اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ مفسرین کی نسبت کہی جانے
والی بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے مدعا پہلے سے طے کر لیا ہے کہ قرآن کو ہر
طرح کی دست برد سے محفوظ رہنا چاہیئے اور اس کے بعد دلیل ڈھونڈنے نکلے اور
جب دلیل نہیں ملی تو مجبوراً انہوں نے اپنی طرف سے ایک دلیل تراش لی۔ مفسرین اگر
قرآن کو جناب ختمی مرتبتؑ کے ذاتی اذکار سے محفوظ سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ ان کے
نزدیک آپ کی عصمت ہے اور وہ اگر آپ کو اُمّی سمجھتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ اس
طرح کلام الہی کو ہر طرح کے دخل و تصرف سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس لئے ہے
کہ خداوند عالم نے آپ کو اُمّی کہا ہے اور بہت سے دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ ہم
جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے مفسرین

بعثت سے قبل لکھا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور یہ بات آپ کے لئے قطعاً معیوب نہیں تھی۔

دوسرا سوال

کیا جناب رسالت مآبؐ دوران رسالت لکھنے پڑھنے سے واقف تھے؟

سوال : دوران رسالت آپ کے لکھنے پڑھنے کی توانائی کسے مومنور سے ہے اور اس میں ہمیں سبب سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کی وجہ آپ کے بچپن کی تعلیمات رہی ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے یا اسکی وجہ الہامی اور عطائی غیبی ہے۔ اب ہم سبب سے قطع نظر ڈاکٹر صاحب کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے اصل توانائی کے اثبات میں پیش کی ہیں۔

اس کے بعد ہم خود اپنے دلائل سے اسی سوال کا جواب عرض خدمت کریں گے۔

شاعری کی مختلف فصول میں قطعات کہتے اور جنگوں میں سپاہیوں کو جوش دلانے اور دشمن پر رعب قائم کرنے کے لئے اس سے استفادہ کرتے تھے وہ اپنے اس فن میں خاص طور پر جنگی رجز کے طور پر اتنے ماہر تھے کہ دشمن کے رجز کا اسی وقت فی البدیہہ جنگی آمادگی کے بغیر اسی وزن اور اسی قافیہ میں جواب دیتے تھے۔ قرآن ان لوگوں کی تہمت کے جواب میں جو قرآن کو آپ کی شاعری سے نسبت دینا چاہتے تھے ارشاد فرماتا ہے۔

”وَمَا عَلَّمْنَا شِعْرًا وَمَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقَسْآنَ مِثْلُ
ہم نے پیغمبر کو شاعری کی تعلیم نہیں دی اور یہ کتاب بجز ذکر الہی اور قرآن مِثْلُ (۱۶۹) نہیں
کچھ اور نہیں۔“

اس آیت میں قابلِ غور جملہ ”وَمَا يَنْبَغِي لَهُ“ ہے۔ یہ جملہ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو انسانی افتخار اور سر بلندی کو اپنی تنگ نگاہی کے ساتھ مادی زاویہ سے دیکھتے ہیں اور بتاتا ہے کہ بعض باتیں کچھ لوگوں کے لئے باعثِ فضیلت و افتخار ہوتی ہیں لیکن وہی باتیں ان لوگوں کے لئے جو ان سے برتر و بالاتر ہیں نہ صرف یہ کہ باعثِ افتخار نہیں ہوتیں بلکہ ممکن ان کے مقام و مرتبہ کے لئے زیب بھی نہ دیں۔

لکھنا، پڑھنا، شاعری کی طرح نہیں کہ کسی کو زیب دے اور کسی کو نہ دے لیکن اس کی تعلیم کے لئے ضروری نہیں کہ سب لوگ یکساں روش کے حامل ہوں۔ وہ لوگ جنہوں نے علم و سوانح کو بشری معلمین کے ذریعے سیکھا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لکھنے پڑھنے کی تعلیم کو مراحل کیساتھ درسا درسا حاصل کریں۔ لیکن وہ محترم ہستی جو ولادت کے دن ہی سے معلمین وحی کی زیرِ تربیت رہی ہو اور جس نے انبیاءِ الہی کی مخصوص روش پر حقائق و معارف کو حاصل کیا ہو ہرگز ضروری نہیں ہے کہ بشری ذرائع سے مستفید ہو۔

نتیجہ: تاریخ نزول وحی نے پہلے سوال کا جواب اس طرح دیا کہ جناب ختمی مرتبتؐ

کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس سے لے کوئی سند پیش کریں۔ صرف یہی نہیں کہ یہ غلط اور باطل نسبت علماء اسلام کی علمی کتابوں میں نہیں ہے کبھی افسانہ نگاروں کی ذہن بھی اس کا تصور نہیں آیا۔

۶۔ جناب ختمی حضرت کی ذمہ داری قرآن کی تعلیم تھی جو کہ لکھنے پڑھنے کی صلاحیت کے بغیر ناممکن ہے، مفسرین نے جناب رسالت مآب کی بنیادی امور سے متعلق ذمہ داری پر زور نہیں دی ہے۔ پیغمبر اکرم کا کام صرف یہ نہیں تھا کہ آپ وحی الہی کو حاصل کریں بلکہ قرآن کی تعلیم بھی آپ کی ذمہ داری تھی اور دوسروں کو کسی کتاب اور اس میں موجود علوم کی تعلیم کے لئے کم از کم یہ بات ضروری ہے کہ معلم قلم چلانا جانتا ہو یا پھر قلم سے لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ سکتا ہو اور یہ بات آپ پر نازل ہونے والی ابتدائی وحی سے آشکار ہوتی ہے جہاں وحشاد ہوتا ہے۔

اقراء باسم ربك الذي خلق، خلق الانسان من علق، اقراء وربك الاكرم الذي علم بالقلم، علم الانسان ما لم يعلم (سورہ علق: ۱-۵) یعنی پڑھو اللہ رسول، اپنے پروردگار کے نام سے جس نے تمہیں خلق کیا وہ خدا جس نے تمہیں جے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے پڑھو کہ تمہارا خدا بہت بزرگ و بالا ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا اور اسے وہ کچھ بتایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

جواب:- ہمارے ہندوستان کے محترم استادوں نے انبیاء و مرسلین کی تعلیم و تدریس کے معیار کو قدیم یونان، ایران، ساسان اور عصر حاضر کے تعلیمی معیار سے منقالبہ کر کے اسے کیسا نوعیت کا حامل جانا ہے۔ تعلیم کا یہ انداز کہ استاد جتنی طور پر کتاب کھول کر اپنے سامنے رکھے اور طلباء ایک حلقے کی صورت اس کے گرد بیٹھ جائیں اور استاد ایک اپنے ہاتھوں میں تمام کراستاد کی باتیں توڑ کرتے رہیں یا پھر استاد کے سامنے خود اپنی کتابوں پر نظر رکھیں معمولی اور عام معلمین کا طریقہ ہے جسے آج ہم

مغرب، ممالک کی ثقافت میں زیادہ بہتر اور زیادہ مکمل صورت میں دیکھتے ہیں۔ لیکن آسمانی معلمین سے تعلیم حاصل کرنے والے افراد جن میں پیغمبر اسلام کو ذوقیت حاصل ہے وحی کو قریشی روحی سے انہد کر کے الہی فضل و عنایات کے ساتھ اسے ہمیشہ کے لئے اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیتے تھے چنانچہ جناب ختمی مرتبتؐ مساجد محافل، منبر اور مختلف جلسوں میں لوگوں کو آیات الہی پڑھ کر سنانے لگے اور پھر اپنے ہند و نصایح اور مفید جامع باتوں سے ان کی رہنمائی فرماتے تھے اور قرأت قرآن اور ابلاغِ سخن کے انہیں دو ذریعوں سے اپنی معلمی کا کردار ادا کرتے تھے۔ پیغمبر کے ہاتھوں میں نہ کوئی کتاب تھی اور نہ لوگوں کو اس کی ضرورت۔ نہ تنبیہ درکار تھا۔ اور نہ کاغذ و قلم بلکہ پیغمبر کے ابلاغ کا ذریعہ اپنی یادداشت سے قرآنی تعلیمات، القاء خطب اور تذکرہ ہند و نصایح تھا اور ان دنوں ایک مذہبی اور اخلاقی رہنما کے لئے اس کے علاوہ اور کسی ذریعہ کی ضرورت نہیں تھی۔

اپنی تیرہ سالہ ملی زندگی میں پیغمبر اسلام کو اسی انداز سے اپنا کردار ادا کرنا تھا وہاں نہ کوئی لوح درکار تھی اور نہ کوئی کتاب، مگر میں درحقیقت منظم طور پر کوئی کاتب وحی نہیں تھا اور اگر تھا تو مسلمانوں میں سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی اس کام پر مامور نہ تھا۔ حقیقتاً وہاں صورت حال ایسی نہ تھی کہ مسلمان اپنی اس اقلیت کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوتے اور لکھنے پڑھنے کا سامان معین کرتے اور جناب ختمی مرتبتؐ انہیں وحی املا کراتے، صورت حال یہ نہیں تھی بلکہ صاحبانِ ایمان اپنے قوی حافظوں کی بنیاد پر جو قوم عرب کی خصوصیات سے تھی قرآنی آیات کو مکہ میں حفظ کیا کرتے تھے چنانچہ حبشہ میں جناب جعفر بن ابی طالب نے جناب مریمؑ کے بارے میں قرآن کے لفظ یہ کو پیش کرنے کے لئے اپنے حافظہ سے آیات کی تلاوت کی اور اس کے لئے عجیب سے کوئی لوح نہیں نکلتی۔

البتہ بعض اوقات کچھ مومنین کسی سوره کی بعض آیتوں کو کسی لوح پر تحریر کر کے
۵۷۲ یا عہد فراوان کر پڑھتے تھے۔ چنانچہ علیہ السلام دوم کے اسلام لانے کے بارے
میں مذکور ہے کہ وہ اپنی بہن کے گھر پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن اپنے
شوہر کے ساتھ کسی صحیفہ کو پڑھنے میں مشغول ہیں جس میں سورہ طہ کی کچھ آیتیں
تحریر تھیں۔

مختصر یہ کہ مکہ میں تعلیم و تربیت کی اساس کتاب کے پڑھنے اور آیتوں کے لکھنے
میں نہیں تھی بلکہ اس کا محور استماع آیات اور جناب ختمی مرتبت کے وہ سود مند چلے
تھے جو آپ اپنے حلقے سے لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے اور بعض اوقات کچھ مشرکین
آپ کا مذاق اڑا کر آپ کو تکلیف دیتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنا مشن بخوبی
پورا کیا۔ مدینہ کا ماحول اس سے مختلف تھا وہاں امن و امان کی فضا قائم تھی
اور اسی لئے مدینہ میں لاکھوں مسلمانوں کے درمیان بہت سے قاری پیدا ہوئے
جنہوں نے قرآن کو ازبر کر لیا۔ اور یہ قاری بعد وفات پیغمبر بھی موجود تھے۔ ان کی
ایک کثیر تعداد سیر معود کی وراثت میں ماری گئی لیکن مسلمانوں کی اس کثیر تعداد میں صرف کچھ گروہ
نے وحی کی کتابت کا کام انجام دیا اور کاتبان وحی کہلائے اور ان کی تعداد افراد سے زیادہ نہیں تھی۔
ان میں کچھ کاتبان وحی وہ تھے جو رسالت مآب کے مدینہ آنے کے برسوں
بعد اسلام لائے تھے اور جنہوں نے بندرت ہی کتابت وحی کی تھی۔ ان میں سے
بعض وہ تھے جو تبلیغی خطوط اور اسناد اور قرار دادیں لکھنے پر مامور تھے
اس کیفیت کے ساتھ آپ ۲۳ سال تک کسی لوح کی عمل درآمد کے بغیر ان کے
معلم رہے ہیں۔

یہ مسلم تاریخ بتاتی ہے کہ جناب رسالت مآب کا تعلیمی میتحد الراح اور
صحائف کے مطالعہ کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ آپ آیات الہی کو اپنے حافظہ سے بیان

فرماتے اور اس کے بارے میں توضیحات پیش کرتے تھے اور کوئی بات جب رونما ہوتی تو آپ کسی کتاب یا نوشتہ سے رجوع کئے بغیر اس کا حکم صادر فرماتے تھے اور یہ اس لئے تھا کہ آپ نے احتیاجات بشر سے متعلق تمام احکامات کو مکتبہ جی سے سیکھا تھا۔ آپ کو ہرگز کسی کتاب سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ تمام مسائل و احکامات کو اپنی یادداشت سے جانتے تھے۔

پیغمبر کے طرز تعلیم کا اس دور کے تمام مدرسین کے طرز تعلیم سے مختلف ہونا بہت زیادہ باعث تعجب نہیں کیونکہ آج کی تعلیم کا مینہ گزشتہ صدیوں کے طرز تعلیم سے بالکل مختلف ہے آج ہمارے پاس ایسے تعلیمی مسائل موجود ہیں جو گزشتہ ادوار میں موجود نہ تھے اور اس کی مثال ریڈیو، فلم، ٹیلیویشن، کیسٹ اور گرامافون کے ریکارڈ وغیرہ ہیں۔

جاہل عربوں کے دور میں سماعت اور یادداشت تعلیم کا محور تھی۔ ان کی یادداشت بڑی طاقتور تھی، وہ طویل خطبوں اور طولانی قصیدوں کو ایک دو دفعہ سن کر یاد کر لیا کرتے تھے عرب کے مشہور سخن ور اور مکرکار سالی کے معینوں میں بازار عکاظہ اور دوسرے مقامات پر اپنے ہیجان آور اشعار سنایا کرتے تھے اور اپنی شخصیت منو کر داد تحسین حاصل کرتے تھے لیکن تاریخ عرب میں کہیں یہ رجحان نہیں ہے کہ کسی خطبے یا قصیدے کے موقع پر عرب کی جاہل قوم نے اپنے ہاتھ میں قلم اور کاغذ لے کر خطباء و فصحاء کی باتیں یادداشت کی ہوں۔

خلیفہ دوم نے لوگوں کو احادیث لکھنے پر پابندی لگا دی تھی اور یہ روش ایک سو سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی بعد میں اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے جسے دیگر تمام خلفاء کی نسبت اسلام اور جناب رسالت آپ سے زیادہ دوسری تھی انحضرت کے چھوٹے بڑے خطبات اور احادیث کی جمع آور ہوئی۔

امیر المومنین علیہ السلام اپنے شعلہ بار خطبوں کو عام اجتماعات میں دشمنی کے ساتھ معرکہ آرائی کے مواقع پر القاء فرماتے تھے۔ ان میں سے بیشتر خطبے تندر نویسوں کے ذریعے ضبط تحریر میں لائے بغیر عرب کے غیر معمولی حافظوں کے ذریعے محفوظ ہو جایا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس معلمی سے مراد کیا ہے جسے قرآن نے ختمی مرتبت سے نسبت دیکر تفسیر کی اور کہا: **وَلِيَعْلَمَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** کیا وہ اس بات پر معمور تھے کہ قرآن اور اسلام کے حقائق کو لوگوں تک پہنچائیں یا اس لئے آئے تھے کہ مسجد کے مدرسین کی طرح آسانی کتاب کو براہ اعتبار لے لوگوں کو سکھائیں یقیناً اظہر من الشمس سے کہ آپ پہلی بات کے لئے آئے تھے کیونکہ اپنی یادداشت سے قرآنی آیات کی تلاوت مفہوم و مقصود آیت، اس کی تشریحات، ابلاغ سخن، بیان احکام، فروع پر عمل اور اخلاقی اور معاشرتی موضوعات پر زبانی رہنمائی سے یہ مقصد پورا ہوتا تھا اور جو کوئی لکھنے پڑھنے سے واقفیت رکھتا تھا وہ آپ کی باتوں کو ضبط تحریر میں لاسکتا تھا۔ لیکن ان بڑھ لوگوں کی اکثریت مسزبانی بولنے سے تمام باتوں کو اپنے قلب میں سمولیتی تھی۔

سورہ علق کا مقصد: ہندوستان کے ان فاضل ڈاکٹر صاحب کی دلیل جسے صنف میں سورہ علق کی جو آیتیں ترجمہ کے ساتھ گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں ہرگز ان کے اس دعوے پر دلیل نہیں بنیں جس میں انہوں نے کہا کہ کسی کتاب کو درس دینے والے کے لئے کم از کم یہ مناسب ہے کہ وہ قلم چلاتا جانتا ہو۔ اس سورہ کی آیتیں اللہ کی عظیم نعمتوں کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اللہ نے انسان کو حالت "علق" سے عالیترین مرتبہ تک پہنچایا، اسے معلومات فراہم کیں اور قلم کو اس

۱۷ سورہ آل عمران - آیت ۱۷

کے اختیار میں دیا لیکن اس سے ہرگز یہ بات سامنے نہیں آتی کہ جناب ختمی مرتبتؑ بھی دنیا کی دیگر اکثریت کی طرح نعمتِ قلم سے بہر مند تھے اور اسے استعمال میں لاتے تھے۔ گذشتہ آیتوں سے تلو یحیٰ یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام نے علم و دانش کو کسی ایک گروہ میں منحصر نہیں جانا اور انسانیت کو یہ شوق دلایا کہ وہ لکھنے پڑھنے کی اس نعمت سے بہر مند ہو۔

۳۔ قرآن میں "القلم" نامی ایک سورہ موجود ہے۔

مکہ میں جناب رسالتؐ پر نازل ہونے والے سوروں میں ایک سورہ "القلم" بھی ہے۔ اس بنا پر جب خود قرآنِ قلم کے لئے اتنی اہمیت کا قائل ہے اور اسے وسیلہ ترویج دانش جانتا ہے تو پھر کیا یہ بات قابل قبول ہے کہ جناب ختمی مرتبتؑ جو "یعلّمہ الکتاب والحکمۃ" کے قرآنی متن کے مطابق تعلیم قرآن پر معور تھے تمام عمر قلم سے اجتناب برتنا ہو۔

جواب :- اس استدلال کا میتھڈ کسی حد تک پیغیروں کی طرزِ تعلیم کو عام طرزِ تعلیم کے ساتھ ملاتا ہے اور ہم اس کے بارے میں پہلے سب کچھ بتا چکے ہیں اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اخلاقی فضائل اور دیگر تعلیمات کے بارے میں جناب رسالتؐ کی روش دوسروں سے مختلف ہے رہا یہ سوال کہ قلم کے بارے میں اتنی گفتگو کے باوجود آخر کیوں جناب ختمی مرتبتؑ نے اسے تمام عمر ہاتھ نہیں لگایا؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے، بعض بڑی مصلحتوں کے پیشِ نظر جو بعد میں آپؐ کی نبوت کو لوگوں کے لئے مشکوک بناتی تھی۔ آپؐ خداوندِ عالم کی طرف سے مامور تھے کہ لکھنے پڑھنے سے لگاؤ پیدا نہ کریں اور کسی بشری مکتب سے وابستگی نہ رکھیں تاکہ لوگ آپؐ کو نابغہٴ قرن، بطلِ فکر اور معاشرے کا ایک فردِ غیر تصور نہ کریں۔

ڈاکٹر صاحب کی روح استدلال یہ ہے کہ جناب ختمی مرتبتؑ کو یہ بات معلوم تھی

کہ آپ کو مجدد رسالت ملے والا ہے اور آپ کے پروگرام کا آغاز تشریفاتی قلم سے ہے لہذا اس امر کے لئے کمر لوگ کلیر نہ کہیں محمد ایک بے غلہ لہنے والا ہے، آپ نے بھیجی اور جوانی میں قلم چلانے کا راہ سیکھیں تاکہ لوگوں کے اعتراض سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن ایک ٹبری نظر رکھنے والا مسلمان ہرگز آپ کے بارے میں انداز سے نہیں سوچے گا۔ آپ انہی بات پر مامور تھے کہ اس مافی وحی کو اپنے ذہن میں محفوظ کر کے اسے لوگوں تک پہنچائیں اور یہ کوئی عجیب کی بات نہیں کہ آپ طغی اور جوانی کے ادوار میں بطور تفصیل قرآن کی خصوصیات سے بے خبر ہوں، چنانچہ قرآن گذشتہ قوموں کی مہر و شہادت کے بارے میں صحیح اور شواہد فرماتا ہے کہ جناب ختمی مرحبت اور آپ کی قوم ان قصوں سے قبل نزول قرآن سے خبر تھی۔

۳۔ جناب رسالتنا صحنہ مطہرہ کو پڑھتے تھے،

مفسرین نے اس بات پر توجہ نہیں دی کہ سورہ کی دوسری اور تیسری آیت میں خداوند عالم پر شاہد فرماتا ہے: "وَسُوْرٌ مِّنْ اَللّٰهِ يَتْلُوْهُ صَٰحُّا مَّطْهَرًا"۔ یہاں کتب قیمہ، یعنی وہ رسول جو مقدس اور باطل سے پاک صفوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان صفوں میں اچھی اور سچی تحریریں ہیں۔ پس جناب ختمی مرتبت اس آیت کی روشنی سے صحائف کا مطالعہ فرماتے تھے۔

جواب :- قرآن میں جو بات صراحت سے آئی ہے وہ یہ ہے کہ امین وحی جبریل "قرآنی آیات کو آپ کے قلب پر نازل کرتا تھا۔ جیسا کہ آیت کے متن سے واضح ہے۔ "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (شعرا، آیت ۱۰۱) یعنی روح الامین نے قرآن کو تمہارے قلب پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو (اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے) ڈراتے رہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان صحف سے خود خداوند عالم

لے :- وَلِلّٰهِ اَنْبَاءُ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا۔ (ہود، آیت ۲۹)

کی مراد کیا ہے جنہیں ختمی قریشی تلاوت کرتے تھے کیا اس سے مراد ہی عام رائج مادی لوح ہے؟ یعنی گویا رسالت مآب قرآن مجید کو کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے جو ڈاکٹر صاحب کی گفتگو کا ماحصل ہے (یا یہ کہ آپ خود اسے املا فرماتے تھے دوسرا لکھتا تھا اور آپ اس لکھے ہوئے کو لوگوں کے لئے اذیر پڑھتے تھے تاریخ نزول قرآن اس احتمال کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ عمل نزول قرآن قلب پیغمبر کو قرار دیا گیا ہے اگر کسی اسلامی اور غیر اسلامی سند سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جناب رسالت مآب قرآنی آیات کو پہلے ضبط قری میں لاتے اور پھر اسے لوگوں کے لئے پڑھا کرتے تھے یا پہلے لکھواتے اور پھر اس لکھے ہوئے کو قرأت فرماتے تھے۔

اصولاً ایک ذرا سی توجہ کے ساتھ اس احتمال کا غیر واقع ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ بعض آیتوں کا نزول جنگی محاذ اور راہ سفر تھا جہاں پیغمبر کو ضبط تحریر کی فرصت نہیں تھی پیغمبر صرف ایک آیت تلاوت فرماتے اور کاتبان وحی اس کے لکھنے کا انتظام کرتے تھے بعض افراد صرف ایک دفعہ کے سن لینے سے تمام وحی کو اذیر کر لیا کرتے تھے جب امین وحی آپ پر تلاوت کرتا تو آپ قرآن کو محفوظ کرنے کے بے تحاشا شوق میں آیتوں کی تلاوت عجلت میں فرماتے لہذا اسے روکنے کے لئے ذیل کی آیت نازل ہوئی

لَا تَجْرُءُ بِاللَّسَانِ لَتَجْعَلَ لَهُ ان عِلْمًا جَمْعًا وَقُرْآنًا

(سورہ قیامت - آیت ۱۶-۱۷)

یعنی اے پیغمبر وقت نزول اپنی زبان کو سرعت سے حرکت نہ دو کیونکہ قرآن کی جمع آوری اور اس کی تلاوت کی ذمہ داری ہم پر ہے۔

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ وقت نزول وحی اور اس کے بعد کسی قسم کی تحریر کا وجود نہیں تھا ورنہ کیا ضرورت تھی کہ آپ وحی کے نزول کے وقت سرعت اور عجلت سے اس کی تلاوت فرماتے

۱۔ تفسیر مجمع البیان - ج ۱ - ص ۲۹۷ مطبوعہ مہدلا۔

تعب خیرات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کس طرح مفسرین پر بے توجہی کا الزام لگایا حالانکہ تمام مفسرین نے ڈاکٹر صاحب کی زیر نظر آیت پر کھل کو بحث کی ہے حتیٰ کہ اس نکتہ کو بھی بیان کیا ہے کہ آیت پیغمبر کے اُمتی ہونے کی نفی نہیں کرتی اور ہم بطور مثال یہاں بیضاوی کی عبارت کو نقل کرتے ہیں۔

والرسول وان كان اميا لکنه لما تلى مثل ما في الصحف كان كالنبي لهما۔

یعنی پیغمبر اگر چہ ناخواندہ تھے لیکن چونکہ الواح پر لکھی ہوئی عبارت کے عین مطابق ان کی گفتگو تھی لہذا انہیں تالی محف کہا جاتا تھا ہم آیت کی وضاحت کے لئے اس کے احتمالات کا ذکر کرتے ہیں۔

الف: بیضاوی کی طرح مشہور مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: تلاوت صحف کے لئے ”صحیفہ“ کا لفظ میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر حال طرز پر نزول قرآن اور اس کی تلاوت کے وقت اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ احتمال اور بھی زیادہ محکم ہو جاتا ہے اگر کوئی تورات، انجیل اور قرآن کے کچھ صفحات کو ازبر پڑھتا ہے تو ہم یہی کہتے ہیں کہ فلاں شخص تے تلاوت، انجیل یا قرآن کی تلاوت کی اسی طرح فردوسی، حافظ، یا مثنوی کو اپنی یادداشت پر پڑھنے کے لئے بھی ہم یہی پڑھنے کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس بنا پر ”میتلو صحیفہ مطہرہ“ دیکھو صحائف کو پڑھتا ہے سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسے دیکھ کر پڑھتا ہے۔

آیت میں ایک اور احتمال

آیت میں ایک احتمال اور یہ ہے کہ صحف سے مراد مجرور بتدی الواح ہیں جسے قریشی نزول وحی کے موقع چڑھاپ کی آنکھوں کے سامنے قرار دیتا رہا ہے جیسا کہ سورہ

لہ تفسیر بیضاوی۔ ص ۸۷۶، مطبوعہ استنبول

علق کی تفسیر میں مفسروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ قلب پیغمبر پر نازل ہونے سے پہلے قرآن کا ایک وجود ہی نسخہ لوح محفوظ پر از قبل موجود تھا اور خود قرآن ان الفاظ میں اس کی تائید کرتا ہے بل خود قرآن مجید فی لوح محفوظ (سورۃ ۲۳) اور جناب رسالت اب کی روح پاکیزہ کامل تجرد کے زیر اثر لوح محفوظ کے ان الواح کو پڑھ سکتی تھی یا پھر بعض واسطوں سے اس کے مضامین سے باخبر رہتی تھی بعض مفسرین نے ذیل کی آیت میں ”صحف“ کو لوح محفوظ سے تعبیر دیا ہے فی صحف مکرّمہ، مرفوعہ مطہرہ، بامیدی سفورہ، کرام بردہ،

(سورہ عیسٰی ۱۳-۱۴)

یعنی یہ قرآن اعلیٰ، ارفع اور پاکیزہ صحیفوں میں ہے جو صالح لکھنے والوں یا گرامی قدر ستارے کے ہاتھوں میں ہے۔ ان اختلافات کے ساتھ یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی کہ صحف اسے مراد لیں ہی مادی الواح اور انسانی ہاتھ کے بنے ہوئے کاغذ ہیں۔

۵۔ جناب رسالت اب تمام اہل علم کو حصول علم کی دعوت دیتے ہیں۔

جناب ختمی مرتبت نے حصول علم کو ہر مرد و زن کے لئے ضروری جاننا ہے اور اس علم کو سورہ علق کی آیت کے مطابق فلم کی مدد سے سیکھا جاتا ہے جناب رسالت اب مسجد میں داخل ہوئے آپ نے وہاں مومنوں کے دو گروہ کو دیکھا ایک مصروف عبادت تھا اور دوسرا کسب علم کر رہا تھا آپ نے دونوں گروہوں کی تعریف کی اور اس گروہ میں شامل ہوئے جو کسب علم میں مصروف تھا اس کے بعد آپ نے فرمایا چونکہ میں خداوند عالم کی طرف سے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مبعوث ہوا ہوں اس لئے میں نے اس گروہ میں شمولیت اختیار کی ہے آپ نے فرمایا عبادت کی بہترین صورت حصول علم ہے۔

پیغمبرؐ جاتے تھے کہ ان کے تمام صحابہ لکھنے پڑھنے سے واقف ہوں جنگ بدر میں آپؐ نے ان جی قیدیوں سے جو کھانا پڑھا جانتے تھے چاہا کہ تاوان کھرنے کے بجائے

وہ مسلمانوں میں سے دس افراد کو لکھنے کی دعوت دیں۔

جناب رانما ب جب کبھی کسی حاکم کو کہیں بھیجتے تھے اسے یہ حکم دیتے تھے کہ وہ لوگوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق امور کو براہ راست اپنی نگرانی میں رکھے پھر اس کے بعد بھی کیا بات قابل فہم ہے کہ ایک ایسا رہبر و رہنما جو ہمہ وقت اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت کی فکر میں ہو اپنے آپ کو لکھنے پڑھنے کے فائدے سے محروم رکھے۔

جواب: لکھنے پڑھنے اور حصول علم و دانش سے اسلام کی حمایت کوئی دھکی چھپی بات نہیں ہے اور اگر ہم اس حمایت سے متعلق اسناد کو پیش کرنا چاہیں تو ہمیں صغیر کے صنعتا پر کرنے پڑیں گے صرف بطور نمونہ ہم اپنے پڑھنے والوں کو صحیح بخاری اور بحار الانوار کا حوالہ دیتے ہیں بلکہ

لیکن یہ حمایت اس بات کی دین نہیں ہے کہ خود جناب ختمی مرتبت لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ بھی عام طرز تعلیم کے ذریعہ اس کی مثال ہم یوں عرض کر سکتے ہیں کہ ایک پیاسا سدا باپ اپنے بیٹوں کو حصول علم پر زور دیتا ہے اور انہیں لکھنے پڑھنے پر مائل کرتا ہے لیکن ناسازگار حالات یا بعض رکاوٹوں کی وجہ سے خود اس فیض سے محروم رہتا ہے تو کیا ایسی صورت میں باپ پر یہ گنجائش اعراض ہے کہ وہ کہیں اپنے بیٹوں کو تعلیم پر زور دے رہا ہے جبکہ وہ خود گذشتہ ادوار میں اس کام کے درپے نہ تھا۔

جناب ختمی مرتبت ایک ایسے مثالی اور کامل انسان تھے جن کی حیات کا نقشہ عظیم تر معالج کے ایک سلسلہ کے تحت اس طرح مرتب ہوا تھا کہ آپ کے لئے روز بعثت تک لکھنے پڑھنے کی صورت پیدا نہ ہو۔

لیکن کیا ان حالات میں آپ کو یہ اختیار نہیں تھا کہ آپ اپنے اصحاب اور انسانی معاشرے کو علم و دانش کے حصول کی دعوت دیں اور اگر آپ نے یہ کام انجام

دیا تو گویا یہ بات قابل تحین نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ ہرگز یہ بات واضح نہیں کہ گذشتہ مسجد میں علمی مذاکرہ کرنے والے گروہ کا طریق کار لکھنے پڑھنے کے ذریعہ ہو بلکہ احتمال ہے کہ وہ اسلام کے اصول و عقائد سے متعلق گفتگو میں مصروف ہوتے تھے اور وہاں لکھت پڑھت کی ہرگز کوئی صورت درپیش نہیں تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے گویا یہ فرض کر لیا ہے کہ جناب ختمی مرتبت ایام طفلی میں اس بات سے آگاہ تھے کہ انہیں چالیس سال بعد لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی دعوت دینی ہے اور اس اعتبار سے ہر قسم کی کوتاہی سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایام طفلی اور جوانی میں حصول علم پر توجہ دیں حالانکہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت کو قبل بعثت اپنی اصل نبوت کا علم تھا نہ یہ کہ آپ اپنی رسالت کے تمام خصوصیات سے بھی واقف تھے۔

۶۔ ابن حجر کی گفتگو

آٹھویں صدی عیسوی (دوسری صدی ہجری) کے مشہور عرب مورخ ابن حجر جس نے "بخاری" کے اخبار و احادیث کی تفسیر کی ہے پیغمبر اسلام کے پڑھے لکھے ہونے کے بارے میں اختلاف علماء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "صرف مغربی ایشیا کے علماء ہی نہیں بلکہ شمالی افریقہ اور سسلی کے اہل علم حضرات کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ جناب ختمی مرتبت لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔"

جواب: ہم دوسری صدی ہجری میں رہنے والے کسی ایسے ابن حجر کو نہیں جانتے جنہ تیسری صدی ہجری میں لکھی جاتے والی کتاب صحیح بخاری کی شرح کی ہو شاید اس قسم

نے محمد بن اسماعیل بخاری کی ولادت ۱۹۴ اور وفات ۲۵۵ ہجری ہے اس اعتبار سے ان کا شمار تیسری صدی کے علماء میں ہوتا ہے پھر کس طرح دوسری صدی میں ابن حجر نے ان کی کتاب کی شرح لکھی؟

کے اشتباہات ڈاکٹر صاحب کی کتاب کے مترجم جناب محمود تفتعلی صاحب سمرندہ ہوئے ہیں علماء اسلام میں ابن حجر کے عنوان سے دو افراد کو شہرت حاصل ہے
۱۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن حجر عسقلانی الاصل مصری الاولادہ؛ فتوح الباری فی شرح
احادیث بخاری کے مولف ہیں انہیں نے ۷۲ھ ہجری قمری میں وفات پائی اور
یہی ابن حجر ڈاکٹر صاحب کی مراد ہیں لیکن یہ نویں صدی عیسوی کے تہیں نویں
صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن محمد بن علی بن حجر "مواضعی محرقہ" کے مولف ہیں جن کی سنہ
ولادت ۹۰۹ اور سنہ وفات ۷۴۳ یا ۷۴۲ھ ہے

اب ہم اصل موضوع کی طرف پلٹے ہیں درحقیقت ہمیں دیکھنا ہے کہ اتفاق و اجتماع
سے متعلق ابن حجر کے دعوے کی حیثیت کیا ہے اور وہ کس حد تک درست ہے
اور کیونکہ اسلام کے عظیم مسنفین نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

ابن حجر نے جہاں جہاں کا ذکر کیا ہے اگر قبل بعثت سے تعلق ہے تو وہ قرآن و پیغمبر
کی مسلمہ سیرت کے خلاف ہے اور اگر بعد بعثت کے منظر ہے تو ایک ایسا دعویٰ ہے جس
کی کوئی دلیل نہیں تاہم ابن حجر نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے اس نے ہرگز یہ
نہیں کہا کہ نہ صرف مغربی ایشیا بلکہ شمالی افریقہ اور سسلی کے تمام علماء کا
یہی عقیدہ ہے کہ جناب ختمی مرتبت لکھا پڑھا جانتے تھے۔
اب ہم اس ٹکڑے کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جسے ابن حجر نے اپنی کتاب "فتح الباری" میں
پیش کیا ہے۔

جس وقت ابو الولید الباجی "نے یہ کہا کہ جناب سالتما" نے حدیبیہ میں اپنے
نام اور لقب کو بدست خود لکھا تو اس وقت کے دانشمندیوں نے اس کی مذمت
کی اور اندلس کے علماء اس پر ٹوٹ پڑے اور کہا کہ یہ نظریہ قرآن کے خلاف ہے اور

ذیل کا یہ شعر اس کے حق علیہ السلام کا کیا۔

یوسف من شری دنیا بأخوه

وقال ان رسول الله قد كتب

یعنی میں اس سے برکت اختیار کرتا ہوں جس نے اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دیا اور یہ کہا کہ رسول خدا بقلم خود لکھتے تھے اس کے بعد ابن حجر لکھتے ہیں ابو ذر ہدیٰ ابو الفتح نیشاپوری اور انریقی علماء کے ایک گروہ نے اس عقیدے کا ساتھ دیا۔ یا حقیقتاً یہ عبارت اس مفہوم کو پیش کرتی ہے کہ جناب ختمی مرتبتؑ کے لکھنے پڑھنے سے متعلق مسلم مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور سسلی کے دانشمندیوں کے درمیان ایک متفق علیہ مسئلہ تھا ہم اس کا فیصلہ اپنے محترم پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں۔

جناب خدیجہ کے مددگار اور خزانہ دار

حضرت خدیجہؓ ایک تاجر خاتون تھیں بعض اوقات ان کا مال تجارت دہراؤ اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا جو اطراف کے ملکوں میں فروخت کے لئے بھیجا جاتا تھا سب پر یہ بات واضح ہے کہ جناب ختمی مرتبتؓ قبل اس کے کہ جناب خدیجہ سے عقد فرماتے ان کے معائنہ اور مددگار تھے آپ مختلف علاقوں میں بھیجے جانے والے مال تجارت کے بڑے قاعدوں کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جناب خدیجہ اتنے اہم کام کی سرپرستی کو ایک ایسے آدمی کے حوالے نہیں کر سکتی تھیں جسے لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا نہ آتا ہو۔

جواب:۔ اسلام کی عظیم نشان خاتون حضرت خدیجہ بنت خویلد کی داستان حیات تاریخی، سیرت، رجال، اور تمام معتبر کتابوں میں درج ہے ابن سعد، الطبقات، الکبریٰ، ابن عبد ربہ، الاستیعاب، اور ابن حجر نے ”الاصحاب“ میں صحابی عہد توں کے

باب میں آپ پر گفتگو کی ہے۔ سب نے آپ کو بلند نسب، شریف، اور دولتمند خاندان کے عنوان سے جانتا ہے لیکن جس دولت اور مال تجارت سے متعلق جن اونٹوں کی تعداد کا ذکر صاحب تذکرہ کیلئے اس کے لئے یہیں کوئی سند نہیں ملتی عرب اور بالخصوص مکہ کی اس کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے جو ایک بے آب و گیاہ مقام اور تمام علاقوں سے کٹا ہوا ہے اور جہاں سے سال میں صرف دو مرتبہ معدود چند لوگ سوائے شام اور یمن نہیں جاتے تھے ایسی ثروت اور ایسی تعداد میں جانور دل کی رکھوالی بعید از قیاس ہے اور ہم اسے ایک افسانہ کہہ سکتے ہیں بعض افراد نے جناب خدیجہ کی دولت سے متعلق بڑی میالغہ آمیز گفتگو کی ہے اور آپ کے تجارت سے متعلق اونٹوں کی تعداد کو ۱۰ ہزار تک پہنچایا ہے مرحوم علامہ مجلسی نے جناب خدیجہ کے ساتھ جناب رسالت کے عقد سے باب سیس اونٹوں کی مذکورہ تعداد کو اسکی کتاب سے نقل کر کے آخر میں اپنا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ کہ مجھے صحیح اسناد نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ کتاب کے مطالب پر بھروسہ نہیں اگرچہ اس کا مولف ایک دانشمند انسان ہے اس سے ہٹ کر حقیقتاً اس زمانے کی تجارت آج کی تجارت سے مختلف ہے اس زمانے میں رجسٹر، اندراجات، اور محاسبات کی ضرورت نہیں تھی تمام کام نقد صورت میں انجام پاتا تھا اور اس سے لئے کسی لمبے چوڑے حساب، لکھت، قیمت یا ان اور سے متعلق کسی نمائندے کی ضرورت نہیں تھی مکہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد ۱۷ سے زیادہ نہیں تھی لیکن تاجروں کی تعداد اس سے زیادہ تھی اور تاریخ نے کسی تاجر کے لئے کسی نقشی یاد دہانی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۸۔ حتمی مرتبت نے ایک مخصوص ادارہ قائم کر رکھا تھا۔

۱۔ ابو الحسن بکری مولف الانوار مفتاح السور والافکار ملاحظہ فرمائیں سجاد انوار جلد ۱ ص ۲۳۔

تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے اپنے لئے ایک مخصوص ادارہ یا سکرٹریٹ قائم کی تھی جن میں ملکی اور دفتری امور طے پاتے تھے رسول خدا کے اس مخصوص سکرٹریٹ میں ایسے لوگ کام کرتے تھے جو ہمسایہ ممالک کی مختلف زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان کے ساتھ مکاتبہ کرتے تھے مدینہ میں ان لوگوں کے لئے جو آپ کے دفتر میں کام کرتے تھے یا باہر بھیجے جانے کے لئے منتخب ہوتے تھے یونانی، ایرانی، قبیلی، اور حبشی زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی کیلید بات سمجھ میں آتی ہے کہ جناب ختمی مرتبت ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو بغیر دیکھے اور بغیر پڑھے روانہ کرتے تھے۔

جواب :- پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ طرز فکر تاہم کئی اسناد سے عاری ہوتے کے علاوہ مغربی انداز فکر کا حامل ہے جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام اور اس کے عالی قدر رہبر کی شان اس میں ہے کہ ان کے لئے عالیشان محل اور رئیس، سلاطین اور دراز اعلیٰ کی طرح مخصوص دفاتر ہوں وگرنہ ان کی دعوت و رسالت بیسویں صدی کے لوگوں کی نظر میں بہت حقیر اور معمولی دکھائی دے گی۔ اس طرز فکر کے حامل افراد کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کی عظمت ان مادی فارملیٹز میں نہیں اور پیغمبر اسلام کی کیفیت ایک ایسے سربراہ مملکت سے مختلف ہے جو ضرورت وقت اور خاص مادی خواہشات و رجحانات کے تحت وارہ خطوط کے جوابات فراہم کرتے کے لئے سیاسی امور سے واقف سیکڑوں ملازمین پر مشتمل ایک فصوص آفس کی تشکیل کو اپنے لئے ضروری سمجھتا ہو۔

پیغمبر اسلام کے ذریعہ تشکیل پانے والی حکومت کا دعوت اسلام اور تبلیغات سے متعلق طریقہ کار بہت سادہ اور بے کھوٹ تھا۔ جزیرہ نما عرب کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہاں اس طرح کا سکرٹریٹ قائم ہو۔ بلکہ اس وقت کی معمول دنیا

۱۔ جن میں نبوت کے مخصوص ملازمین منتخب ہوں اور جناب ختمی مرتبتؐ مدظلہ ایک مخصوص وقت میں رہنمائی طرح اپنی کوسی پر تشریف لائیں اور تمام سیاسی اور ادارہ خطوط کا مطالعہ فرمائیں۔

بھی اس جیسے ساز و سامان کے اعتبار سے آج کی دنیائے کے دسویں درجہ میں بھی نہ تھی۔
چہ جائیکہ حجاز جو ایک دورِ افکار اور متروک علاقہ تھا۔
اس طرح کا طرزِ تفکر مادی ماحول اور موجودہ حالات کا نتیجہ ہے آج کی صنعتی
دنیا کی چکا چوند سے صاحبانِ قلم کی آنکھوں کو اس طرح خیرہ کیا ہے کہ وہ
حکومت اور اجرائی قوانین کے اعتبار سے پیغمبرِ اسلام کے سراپا روحانی اور معنوی
مشن کو ایک ایسی مادی حکومت کی صورت دیں جس کو زمانے کے حیرتے اس
قسم کے دوائی کی تشکیل پر مجبور کر دیلے ہے۔

پیغمبرِ اسلام نے کئی مرتبہ غیر عرب حکمرانوں کے ساتھ خط و کتابت کی۔
اموالاً دیکھنا یہ ہے کہ اس مخصوص دفتر کی تشکیل اور دنیا کی مختلف زبانوں پر
عبور رکھنے والے افراد کی تربیت سے پیغمبرِ اسلام کا مقصد کیا ہے اگر کتابتِ
موجودہ حکمرانوں کے ساتھ خط و کتابت کرتے اور مسلسل دونوں طرف کے سفراء کی
آمد و رفت تھی تو پھر اس طرح کی تلاش یا دفتر کی ضرورت تھی لیکن اگر ان مکاتبات
کی تعداد اتنی کم ہو کہ انگلیوں پر شمار ہو سکے تو ایسی صورت میں اتنے جھگڑوں کے
ساتھ اور ایسے نامساعد حالات میں ایسے افراد کی تربیت غیر ضروری تھی۔
علماء اور پیروکاروں نے آپ کے خطوط کی جمع آمد کی میں جو کوششیں کی ہیں وہ
ناماً بل بیان ہیں۔ اتنی کوششوں کے بعد جو خطوط ملے ہیں ان کی تعداد ۳۵
سے زیادہ نہیں جو دعوتِ اسلام، عقدِ میثاق و پیمان اور پیرویِ املاک جیسے
مختلف موضوعات پر مبنی ہیں ان میں ۲۱۶ خطوط بڑی زمرتوں کے ساتھ زیر
طباعت آئے ہیں جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں۔

۱۔ عوامی قدر و اہمیت جناب آغا نے احمدی نے بڑی ریسرچ کے بعد آنحضرت کے خطوط اور
ان کی تفصیلات کو ”مکاتیب الرسول“ کے نام سے اپنی نفیس اور عمدہ کتاب میں یکجا کیا ہے اور
ہم دلچسپی رکھنے والوں کو اس کتاب کے مطالعہ کی پیش کش کرتے ہیں۔

آپ کے باقی خطوط کے بارے میں اگرچہ ان کے متن ہمارے پاس نہیں ہیں تاہم خط کے موضوع اور منی طلب سے متعلق جزئی خصوصیات ہمارے پاس ہیں یہ خط جزیرہ نما عرب کے سرداران قبائل کو لکھے گئے ہیں اس میں چند ایسے خطوط بھی ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کے نام ہیں جس کی فہرست درج ذیل ہے

۱۔ حبشہ کا بادشاہ ۲۔ قیصر روم، شہنشاہ ایران کسریٰ، ۴۔ مقتوس، قبطیوں
سردار اور حاکم رداے مصر ۵۔ اسقف روم

یہ وہ حکمران ہیں جنہیں جناب رسالتاً نے جزیرہ نما عرب سے باہر خطوط بھیجے ہیں ان حکمرانوں میں نجاشی وہ بادشاہ ہے جسے آپ نے ایک سے زیادہ مرتبہ خط لکھا ہے اب یہ غور طلب امر ہے کہ اتنی معرفیات کے ساتھ کیا یہ مناسب ہے کہ ایک ایسی کلاس بھی تشکیل پائے جس میں خارجی زبانوں کی تعلیم عمل میں آئے جبکہ جناب رسالتاً کو ایسے زبان دانوں کو ضرورت نہ ہونے کے برابر تھی۔

علاوہ ازیں اگر سلاطین اور امارات کے نام جناب ختمی مرتبت کے خطوط غیر عربی زبانوں میں ہوتے تو اس وقت آپ کو ایسے افراد کی تربیت کی اشد ضرورت ہوتی لیکن آپ اس بات کے معقد تھے کہ اپنے تمام خطوط کو عربی زبان میں لکھیں آپ نے رومی یا ایرانی زبان میں کوئی خط نہیں لکھا۔

پھر یہ کہ آپ کے بھیجے جانے والے تمام خطوط کو مخصوص درباری مترجمین ترجمہ کرتے تھے اس طرح سفراء کے لئے بھی غیر ملکی زبان یکمنا ضروری نہیں تھا وہ خطوط جو جناب رسالتاً نے کسریٰ یا قیصر کو تحریر فرمائے تھے انہی کے حکم سے مخصوص مترجمین نے ان کا ترجمہ کیا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باہر بھیجے جانے والے سفراء روانہ ہونے والے آخری دن تک عربی کے علاوہ کسی اور زبان سے واقف نہ تھے اور اگر تاریخوں میں

لے دیکھئے سروملی ج ۲، ص ۲۵، کنز العمال ص ۲۴۶، طبقات کبری ج ۱ ص ۲۵۹ وغیرہ۔

اس سے بہت کم کوئی اندبات نظر آتی ہے تو اس کا سرچشمہ طبقات ابن سعد ہے اور ہم اس کی تحریر کو ختم طرہ پر اپنے معزز پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور آپ ملاحظہ کریں گے کہ غیر ملکی زبانوں سے ان سفراء کی آشنائی اگر درست، مان لیا جائے تو الہامی تھی اور تعلیم و تعلم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

سفراء کا تعین پیشگی لائحہ عمل کے تحت نہیں تھا

اصل حدیث کے بعد عزیر قریشی جنوب کی طرف سے مصلحین ہر گئے ایک دن آپ نے اچانک نماز صبح کے بعد اپنے اصحاب میں سے ایک گروہ کا انتخاب کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ذمہ داری سونپی کہ مختلف تعین شدہ مقامات پر جائیں اور دعوت اسلام پر مبنی خطوط کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت عیسیٰ کے سفروں کی طرح نہ بنیں۔ لوگوں نے پوچھا مگر وہ کیسے تھے؟ آپ نے فرمایا ان کا راستہ اور ان کی منزل دور تھی اور انہوں نے اس ذمہ داری کو ایک بوجھ محسوس کیا۔ حضرت عیسیٰ نے ان کی اس بے رغبتی کو خداوندہ عالم کے حضور پیش کیا اچانک سفراء کا وہ گروہ غیبات الہی کے زیر اثر ان علاقوں کی زبانوں سے ملہم ہوا جہاں کے لئے انہیں معین کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ابن سعد اس جملے کا اضافہ کرتے ہیں۔ خالص کلی رحیل یتکلم بلسان القوم الذین یعیشہ ایہم، یعنی جناب رسالت کے سفراء بھی ان قوموں کی زبانوں سے ملہم ہوئے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔

مذکورہ مطالب کی رو سے اس قسم کی کلاسیں اور خصوصی دفتر کی گفتگو بے بنیاد ہے

۱۔ سیر ابن ہشام جلد ۴ ص ۲۶۹، طبقات کبریٰ ۱۲ ص ۲۵۸، سیرہ طبری ۳ ص ۲۶۲،

ان مقامی زبانوں سے سفراء کا ملہم ہونا جہاں انہیں بھیجا جاتا تھا ناممکن اور محال نہیں لیکن یہ

بات بعد از قیاس معلوم ہوتی ہے۔

اور مختصر طور پر پریم بھراس کی تکرار کرتے ہیں۔

۱ پہلے تو اس کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے اور پھر ان اسناد میں بھی وہ مطالب برآمد نہیں ہوئے جنہیں ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا ہے ہم نے اس سلسلے میں بہت سے اسناد سے رجوع کیا لیکن یہیں کوئی صحیح نہیں ملے گی۔

۲ سفار کا تعین پیشگی لائحہ عمل کے تحت نہیں تھا کہ ان کے لئے زبان سیکھنے کی کلاس کی تشکیل پاتی۔

۳ ابن سعد نے طبقات میں دعویٰ کیا ہے کہ غیر ملکی اقوام کی زبانیں ان پر اہام ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نتیجہ پر ایک نظر

ڈاکٹر صاحب زبان سیکھنے کی کلاس اور مخصوص دفتر کی تشکیل و تاسیس کو پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں یا یہ بات مانی جاسکتی ہے کہ جناب رستماب اپنے ہماریہ ممالک کے حکمرانوں کو خط بھیجیں مگر خود اسے مطالعہ نہ کریں۔

لیکن اگر پیغمبر اسلام کا اتنے مسلمانوں کے درمیان جو ہر لمحہ اپنے جان و مال کو آپ پر بھروسہ کرتے تھے کوئی ملحد یا محرم اسلام نہ ہوتا جس پر آپ بے دوسہ کرتے تو پھر یہ نتیجہ کسی حد تک استدلال کا رنگ اختیار کرتا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے آپ اپنے دوستوں اور مایقوں پر اعتماد کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ جو کچھ لکھوا رہے ہیں اسے بغیر کسی کمی و بیشی کے لکھا جا رہا ہے۔

اس استدلال سے متعلق جواب کے حاتمہ پریم دو باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الف: ”الاصحاب“ میں زید بن ثابتؓ کے حالات میں آیا ہے کہ سریانی زبان میں پیغمبر کو بھیجے جانے والے خطوط کے ترجمے کے لئے جناب رستماب نے ”زید“ کو یہ حکم

دیا تھا کہ وہ سریانی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔

ب: وحی اور غیر وحی کو لکھنے والے جناب راسخا بن ابی سہل کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ جناب امیر المؤمنین امام المتقین حضرت علی علیہ السلام۔ آپ وحی و قرآن کو لکھیں اور صلحائے تحریر فرماتے تھے۔

۲۔ ابی بن کعب انصاری خزرجی وہ پہلی ہستی جس نے رسول اسلام کے مدینے پہنچنے پر سب سے پہلے وحی الہی کو لکھا۔

۳۔ زید بن ثابت انصاری خزرجی، وحی اور لوگوں کو لکھنے جانے والے بعض خطوط کے تحریر تھے۔

۴۔ عبداللہ بن ارقم اسناد و سر داران قبائل کو لکھے جانے والے بعض خطوط آپ کے ہاتھ سے تحریر ہوئے۔

۵۔ علامہ ابن عقبہ مختلف دینی اور غیر دینی اسناد آپ نے تحریر کئے۔

۶۔ زبیر بن عوام آپ مذکورہ سے متعلق اسناد کے لکھنے والے تھے۔

۷۔ جہم بن انس آپ بھی حضرت زبیر کی طرح صدقات سے متعلق اسناد کے تحریر تھے۔

۸۔ خالد بن سعید جناب راسخا بن ابی سہل کے بھی بعض خطوط آپ کے ذریعہ تحریر پاتے تھے۔

یہ ہیں وہ مشہور ہستیاں جنہوں نے وحی اور غیر وحی کی عبارتوں کو لکھا آئنا کوئی

ان کے علاوہ بھی اور ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے مگر ہم اختصار کے پیش نظر ان کے نام اور

ذمہ داری سے متعلق امور کی تشریح سے صرف نظر کرتے ہیں ہمارے محترم قارئین مذکورہ

مطالب کے اسناد سے باخبر ہونے کے لئے کتب رحال کا مطالعہ فرمائیں، اور ہر کے مطالب

ان کی شرح حال میں مذکور ہیں۔

کیا دوسرے سوال کے جواب کا کوئی اور طریقہ بھی ہے۔

دلت سے قطع نظر بعثت کے بعد آنحضرت کے لکھنے پڑھنے سے متعلق ڈاکٹر صاحب کے دلائل کافی دکھائی نہیں دیتے خاص طور پر اس صورت حال میں جہاں انہوں نے آپ کی آستانی کو عام طرز تعلیم کا سہیب جانا ہے

کیا مذکورہ سوال کا کسی اور صورت سے جواب دیا جاسکتا ہے؟ نیچے گنتی کے تحت پیش کئے جانے والے دلائل کو سامنے رکھ کر یہ اطمینان حاصل ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مقام نبوت کو پہنچنے کے بعد عام طرز تعلیم سے ہٹ کر بطریق الہام لکھنے پڑھنے پر قدرت حاصل کی لیکن رہا یہ سوال کہ کیا آپؐ نے کبھی اپنی اس قدرت سے استفادہ کیا یا نہیں اس کا تعلق دوسرے سوال سے ہے جس پر ہم بعد میں تفصیلاً گفتگو کریں گے۔

”کوہ حرا“ میں نزول وحی کی کیفیت

پہلی وحی کے بارے میں سنی شیعہ محدثین نے جو روایتیں نقل کی ہیں اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دن جناب ختمی مرتبتؐ کی نظروں کے سامنے سے جناب اس طرح اٹھ گئے کہ آپؐ نے جبریلؑ کے لائے ہوئے لوح کو بڑی کامیابی سے پڑھا۔

یقیناً وہ کوئی مادی لوح نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق ایک طرح کے مجزی لوح سے تھا جس میں نقوش و خطوط کو منعکس کیا گیا تھا کیا اس طرح کے نقوش و خطوط کو پڑھنے والے میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ بشری الواح کے خطوط اور عام مکتوبات کو پڑھ سکے۔

جناب ختمی مرتبتؐ عربی اور غیر عربی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔

چونکہ ختمی مرتبتؐ تمام انسانیت کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپؐ کو

کالمے، گورے، سرخ فندہ، عرب و عجم اور دنیا کی تمام نسلوں اور قوموں سے رابطہ رکھتا تھا۔ لہذا اس اعتبار سے آپ یہ صرف یہ کہ عرب کے مختلف لہجوں سے واقف تھے بلکہ آپ دور دراز سے آنے والے صحرائی عربوں کا بھی جواب دیتے تھے جن کی زبان کسی صحابی کی سمجھ میں نہیں آتی پھر یہی نہیں بلکہ آپ خارجی زبانوں سے بھی کما حقہ واقف تھے۔ اور یہ بات تمام حاضرین کی تعجب کا باعث تھی یہاں پر ہم دو واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ایک دن چند آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آپ کو نہیں پہچانا ان میں سے ایک نے سوال کیا۔
 ”من ابون اسرائیل“ یہ جملہ اس نے ”ایکم المرسلون اللہ“ کے بجائے استعمال کیا یعنی رسول خدا کون ہے؟ حاضرین کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ جناب رسول خدا نے اس کی زبان میں ”الحکمد“ اور ”کہا اور ہے جملہ آپ نے ”ہلمرھت“ کی جگہ استعمال کیا جس کا مفہوم ”ادھر آؤ“ ہے۔
 ایک دفعہ جناب بلال آپ کے محضر مبارک میں شریف ہوئے اور آپ نے حبشی زبان میں کہا۔

اور سورہ کنکروہ کسری کسری مستدر
 جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کے مقصد کا ترجمہ فرمایا۔ حصہ حبشی زبان پر آپ کے قسط سے انگشت بندھا رہ گئے۔ حضرت حسان نے جناب رسول خدا کے بیان کردہ ترجمہ کو جو آپ کی شان میں کہہ گایا تھا ذیل کے شعر میں تبدیل کیا۔
 اؤمکارم فی افاقتنا ذکرت : وانما یلک فتنا یفتوت اذمت
 زینبی دھلان نے اپنی کتاب ”سیرۃ“ میں قاری نے شعر ”شفا“ میں اور عظیم سلاوی

لے سیرۃ زینبی دھلان، در حاشیہ سیرۃ علی ص ۳۷ ص ۸۹

لے مجمع البحرین ص ۱۷۵-۱۹۹

صاحبِ قلم قاضی عیاض نے ”شفا“ میں مکہ اور مدینہ کے لوگوں کے لئے مفہوم نہ رکھنے والے مختلف لہجوں اور نیز غیر ملکی زبانوں پر آنحضرت کے تسلط کو داسخن دیا ہے دیکھیے رکھنے والے حضرات مذکورہ اسرارے رجوع کر سکتے ہیں۔

کیا وہ ہستی جس کی نبوت تمام عالم انسانیت پر محیط ہو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام عربی لہجوں کے ساتھ ساتھ بشری خطوط و نقوش سے بھی آشنا ہو ہمارا یہ استدلال اگرچہ ایک خیال سے بڑھ کر نہیں ہے تاہم مختلف زبانوں پر آپ کے تسلط کو دیکھ کر کسی حد تک اس خیال کو درست سمجھا جاسکتا ہے۔

جنابِ ختمی مرتبت علومِ اولین و آخرین پر محیط تھے

علامہ مجلسی نے بحار میں اس جملہ پر لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں جنابِ رسول خدا گذشتہ اور آئندہ کے تمام علوم پر محیط تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نقوش و الواح کو پڑھنے سے قاصر ہوں وہ ہستی جو حکم الہی چاند کے دو ٹکڑے کرنے پر قادر ہوں اس کے لئے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ کاغذ پر تحریر اس کے بس کی بات نہ ہو؟ یہ دلیل بھی گذشتہ دلیل کی طرح ایک گمان پر منحصر ہے یہاں بات قدرت الہی کی نہیں خداوندِ عالم نے آپ کو بشریہ قدر کیلئے دیا ہے اگر آپ کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دینا چاہے تو اس پر قادر ہے لیکن گفتگویہ ہے کہ کیا اس نے ایسا کچھ کیا یا نہیں؟

آیت قبل بعثت سے متعلق ہے

شیعہ ادب، فقہ اور تفسیر کے عظیم دانشمند سید مرتضیٰ امرومی کہتے ہیں۔
جنابِ رسالت کی لکھنے پڑھنے سے عدم آشنائی کا تعلق ما قبل بعثت سے ہے لیکن بعد بعثت اس بات کا احتمال ہے کہ غیبی معلم نے آپ کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی

ہو اور لکھنے پڑھنے سے نا آشنائی کے باب میں جو آیت آئی ہے اس کا تعلق قبل بعثت سے ہے اور اس میں ذکر شدہ سبب اس مفہوم کو واضح کرتا ہے

وما کنتم تتلو من کتاب ولا تحفظہ بینکم اذا الارتاب اطمطون
یعنی اجیب تم نے اس سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا
وگرنہ لوگ تمہاری جہالت پر شک کرتے۔

آیت کا آخری ٹکڑا قبل بعثت پر ناظر ہے وگرنہ دور رسالت میں لکھنا پڑھنا باعث شک و تردید نہیں ہوتا۔

سید مرتضیٰ مرحوم کے بیانات کسی درد کا مداوا نہیں کرتے انہوں نے خود اس مسئلے میں توقف اختیار کیا ہے کیونکہ اگر یہ آیت رسالت کے دور سے متعلق نہیں تو آخر کار میں جناب ختمی مرتبت میں اس صلاحیت کے اثبات کے لئے کسی حکم دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اب تک پہلی دلیل سے زیادہ محکم کوئی اور دلیل ہمارے ہاتھ نہیں لگی ہے۔

اہل بیت کی روایات

مذکورہ دلائل و بیانات بہت کم ہی انسان کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ جناب ختمی مرتبت لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور کچھ ہی تمام باتیں حدس و گمان کا ایک سلسلہ ہے جو عقیدہ کی بنیاد کو مستحکم نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے عظیم شیعہ صاحب قلم سید مرتضیٰ مرحوم نے اس بارے میں راہ توقف اختیار کیا ہے۔

لیکن اس سلسلے میں کثرت سے ایسی روایات موجود ہیں جو نہ صرف یہ کہ آپ کے لکھنے پڑھنے سے آشنائی کو ثابت کرتی ہیں بلکہ اس بات کی بھی واضح کرتی ہیں کہ آپ نے اپنی اس صلاحیت سے بعض خاص موقعوں پر استفادہ بھی کیا۔ آپ نے خطوط کا مطالعہ بھی کیا اور بعض چیزیں تحریر بھی فرمائیں ان روایات کا تعلق تیسرے سوال سے ہونے کے ناطے ہم اس کی بحث اسناد اور مقدار دلائل پر اپنے فیصلے کو تیسرے سوال کے جواب میں پیش کریں گے۔

اگر یہ بات ثابت ہو کہ جناب ختمی مرتبت کو لکھنے پڑھنے پر قدرت حاصل تھی (البتہ الہام اور غیبی تعلیم کے ذریعہ) تو کیا ہمارے پاس اس بات کے دلائل بھی موجود ہیں کہ آپ نے اس توانائی اور صلاحیت سے کہیں کوئی کام لیا ہو کبھی کوئی خط پڑھا ہو یا کچھ چیزیں لکھی ہوں۔

جواب:۔ یقیناً اس سلسلے میں ایک دو روایتیں کافی نہیں ہوں گی بلکہ حدیثینا تک پہنچنے کے لئے جو روشن بینی درکار ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اخبار و روایات کی ایک غیر مقدار ہمارے پاس موجود ہو اور ہم ان کا اچھی طرح جائزہ لے کر اس پر یقین بھی حاصل کر لیں۔ جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے ایسے شواہد و موارد کو پیش کیا ہے جو ان کے نزدیک اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے بعض معاملات پر لکھنے پڑھنے سے کام لیا ہے۔ اب ہم ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ جناب ختمی مرتبت حضرت علی علیہ السلام کو ایک خط دیتے ہیں کہ آپ راستے میں اس کا مطالعہ نہ کریں بخاری کتاب العلم میں نقل کرتے ہیں کہ ایک دن جناب ختمی مرتبت نے ایک خفیہ خط اپنے داماد علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیا اور خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ اسے نہ کھویں اور مکتوب الیہ کا نام اچھی طرح ذہن نشین کر کے خط اس کے حوالے کریں۔

جواب:۔ یہیں بڑی کموج اور جستجو کے بعد بھی بخاری کی کتاب العلم میں یہ بیان شدہ مفہوم دستیاب نہیں ہوا وہاں جو چیز مذکور ہے وہ اوپر نقل شدہ مفہوم سے مختلف ہے ہم بخاری کی اس عبارت کو عیناً نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مزید کسوفی الفاظ کے باب میں لکھا ہے۔

كتب الامير السريه كتاباً وقال لا تقره حتى تبلغ مكاناً كذا فلما بلغ ذلك المكان قس على الناس واخبرهم بما سألني۔

تس حبلہ :- جناب رسالت مآبؐ تے اپنے بٹالین کے میجر کو ایک خط لکھ کر دیا اور کہا جب تک اس خاص مقام تک نہ پہنچ جاؤ اسے نہ پڑھنا مذکورہ میجر تے اس معینہ مقام پر پہنچ کر جناب رسالت مآبؐ کے اس خط کو اپنے پاسیوں کے لئے پڑھا ان دونوں عبارتوں کے مفہوم میں فرق ہے ۔

اولاً :- مذکور عبارت میں ہرگز یہ نہیں کہا گیا کہ حامل خط جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

ثانیاً :- خط کے مخاطب یا مکتوب الیہ کوئی اور نہیں خود میجر تھے اور اسے کسی دوسرے شخص کے لئے نہیں لکھا گیا تھا گویا رسالت مآبؐ نے خاص مصالح کی بنیاد پر یہ نہیں چاہا تھا کہ خود میجر اور اس کے پاس ہی قبل از وقت اصل مقصد سے آگاہ ہوں کیونکہ ایسی صورت میں ممکن تھا کہ خود میجر اور اس کے پاس ہی قبل از وقت اصل مقصد سے آگاہ ہوں کیونکہ ایسی صورت میں ممکن تھا بعض منافقین کو اس کی خبر ہو اوروں میں کوئی لغت سمیت پھیر دیں اور اسے آرمی سے کھینچ کر لے جاتا ہے جس سے جناب حتی مرتبت اکثر جنگوں میں کام لیتے تھے۔

نقل میں ان اختلافات کی رو سے ڈاکٹر صاحب کا یہ نتیجہ آئندہ نادرست نہیں ہو گا کہ جب جناب رسالت مآبؐ اس طرح کا خفیہ خط بھیجیں کہ حامل خط اور پیغمبر کا معتد شخص بھی اسے نہ پڑھ سکے تو پھر حتی مرتبت کے علاوہ کون اسے لکھ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ بخاری کی عبارت لفظ کتب "اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جناب حتی مرتبت نے علم خود اسے لکھا ہو کیونکہ آپ کے بارے میں یہ عبارت اس بات کو ثابت دیکھتے ہوئے مجازاً ہی ہوگی کہ آپ کے ۹۹ مقصد خطوط متعین لکھتے والوں سے ہاتھوں سے عزیمت فرما سکتے تھے یعنی لکھنے والوں نے آپ کے حکم سے انہیں لکھا جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے کتب الملاح، کتب الامیاء، کتب النبیؐ یا مرسا۔

مختصر یہ کہ یہ خط کوئی ایسا پاسر خط نہیں تھا کہ جس کے لکھنے کا حکم پیغمبر نہ

دے سکیں۔ بلکہ ایک سادہ سی بات تھی جسے فوجی پایہ کے لوگوں کو شہرے باہر جا کر سمجھنا تھا اس بنا پر جناب ختمی مرتبت اپنے کسی قریبی معتد کو اس کے لکھنے کا حکم دے سکتے تھے۔

اس واقعہ کو سیرت نگاروں نے کس طرح نقل کیا ہے

جس چیز کو بخاری نے بطور اجمال لکھا ہے۔ اسے اسلام کے عظیم سیرت نگار ابن ہشام نے اپنی کتاب میں بڑی وضاحت سے نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں جناب ختمی مرتبت نے ۸ ماہ جب میں عبداللہ بن جحش اسدی کو ۸ مہاجرین کی سرپرستی میں ایک منزل کی سمت روانہ کیا اور انہیں ایک خط دیکر کہا کہ دو دن چلنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھیں اور اس کے مطابق عمل کریں اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کریں انہوں نے دو دن چلنے کے بعد خط کھول کر پڑھا اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان اتنے نخل کی سرزمین پر وارد ہوں اور قریش کے کاموں پر نظر رکھیں اور اس کی رپورٹ مدینہ روانہ کریں عبداللہ بن جحش نے خط کے مطابق اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تم میں سے کسی کو اس کام پر نہ نکلے جانے پر مجبور نہیں کرتا میں ذاتی طور پر خود نکلے جا رہا ہوں جس کو چلنا ہو میرے ساتھ چلے یہ کہہ کر عبداللہ بن جحش عازم سفر ہوئے ان سے تمام ساتھیوں نے ان کا ساتھ دیا اور کسی نے مخالفت نہیں کی۔

اس واقعہ کو نہ صرف ہشام نے بلکہ دوسرے لکھنے والوں نے بھی اسی طرح سے نقل کیا ہے اس نقل کی رو سے مگر صاحب کے جملہ استنباطات بے نیلہ قرار پاتے ہیں اس لئے کہ کوئی بعید نہیں کہ اس خط کو حضرت علی علیہ السلام یا جناب رسالتا کے دیکر قابل اطمینان ساتھیوں نے لکھا ہو۔

پیغمبر اکرمؐ نے حدیبیہ کے صلحنامہ کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔

بخاری اور ابن ہشام کے مطابق حضرت علیؑ علیہ السلام نے حدیبیہ کا صلحنامہ اس طرح لکھا۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہؐ اور سہیل بن عمروؓ نے اتفاق کیا اس پر سہیل نے اعتراض کیا کہ آپ محمد بن عبد اللہؐ ہیں آپ کی رسالت ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے اور پھر علیؑ سے کہا کہ وہ رسول اللہؐ کے جملے کو حذف کریں حضرت علیؑ نے کہا کہ خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اس پر جناب رسول خداؐ نے عہد نامہ لے کر خود اپنے ہاتھ سے محمد بن عبد اللہؐ لکھا۔

جناب حدیبیہ کا واقعہ اسلامی تاریخ میں مختلف صورتوں سے نقل ہوا ہے اور اس اختلاف کی رو سے اس کی سند قطعی یا اطمینان بخش نہیں ہو سکتی۔
شیعہ سیرت نگاروں کے ایک گروہ نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے جب جناب امیر المومنین علیہ السلام نے صلحنامہ مرتب کیا اور ختمی مرتبت کے نام کو رسول اللہؐ کے لقب کے ساتھ لکھا تو قریش کے نمائندے نے کہا۔ آپ محمد بن عبد اللہؐ ہیں اور آپ کی رسالت ہمارے لئے قابل قبول نہیں اس لئے نام کے ساتھ لقب کو مٹایا جائے۔
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ وہ نام کے ساتھ والہ لقب کو مٹا دیں۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اس کا یا را نہیں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم میری انگلی اس لفظ پر رکھ دو میں خود اسے مٹا دوں گا۔ حضرت علیؑ نے آپ کی انگلی اس لفظ پر رکھ دی اور جناب رسالت مآبؐ نے خود رسول اللہؐ کے لقب کو مٹا دیا اور حضرت علیؑ علیہ السلام نے جناب رسالت مآب کے عہد نامہ کو اسی طرح لکھا کہ جس طرح قریش کے نمائندے کی خواہش تھی یہ

روح ابن ہشام رسالت مآبؐ سے منسوب اس نکتہ سے بلیغ ہے اس لئے بڑی وضاحت سے

لکھا ہے کہ پوری تحریر حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھوں سے لکھی ملاحظہ فرمائیں جلد ۲ ص ۳۱۷

۲ ارشاد مفید ص ۶۱، اعلام الوری ص ۱۰۶، بحار ج ۲ ص ۳۷۳، سیرۃ ابن ہشام ج ۲

۷۰

بخاری اور ابن اثیر نے اس موضوع کو اس طرح نقل کیا ہے۔
 جب قریش کے نمائندے کا دیباؤ بڑھا تو جناب رسالتؐ نے حضرت علیؑ کو
 لوفظ رسول اللہؐ مانے کا حکم دیا حضرت علیؑ نے آپؐ کی رسالت کی عظمت
 کے احترام میں اس لقب کو مانے سے اجتناب کیا رسول خداؐ نے عہد نامہ کو خود اپنے ہاتھ میں
 لیا اور لکھنے سے واقفیت نہ رکھنے کے باوجود یہ جملہ تحریر فرمایا۔ ہذا ما قاضی محمد
 بن عبد اللہ۔

ہمارا نظریہ

اس سلسلے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ بخاری اور اس کی پیروی میں ابن اثیر نے
 واقعہ کے اس حصے کو نقل کرتے ہیں غلطی کی ہے۔
 اولاً یہ کہ بخاری اور ابن اثیر کی روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ
 نے اپنا نام اور اپنا لقب دونوں ہی منادیا اور اپنے ہاتھ سے اپنا نام محمد بن عبد اللہؐ لکھا
 حالانکہ جھگڑا آپؐ کے نام کا نہیں آپؐ کے لقب کا تھا اور لقب مناکر عبد اللہؐ کے نام کا
 اضافہ ان کے لئے کافی تھا اور اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ پیغمبر نام اور لقب دونوں
 مناکر پھر اپنا نام لوح پر لکھیں۔
 بخاری وغیرہ کی تحریر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہاں صرف ایک لوح کا دخل رہا ہے اور
 اسی ایک لوح پر جملہ معترضہ کو مناکر دوسرا جملہ لکھا گیا اور یہ ہے اس کی تشریح۔

تاریخ اور سیرت نگاروں کی تحریر

خط "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع ہوا پس اسی لمحے اس پر اعتراض ہوا اور

ص ۳۱، تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۲۵، صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۷۷، روشہ کافی ص ۳۲۶، بخاری ج ۱ ص ۱۹۵،
 کتاب صلح ص ۱۹۵، ج ۵، باب عمرہ قصاص ص ۱۳۱، لے کامل ج ۲ ص ۱۳۸۔

قریش کے نمائندے تھے کہا۔

وما اعزات الرحمٰن ليعبي رحمن سے کوئی شناسائی نہیں اور تمہیں ہماری رسم کے مطابق بسم اللہ لکھنا ہوگا حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا کے حکم کے مطابق نمائندہ قریش کے پسندیدہ لفظ کو لکھا۔ دوسرے درجے میں جب حضرت علیؑ نے ہذا ما اصطلاح محمد رسول اللہ و سید بن عبد و کا جملہ لکھا تو رسالت کے لقب پر دوسری مرتبہ عزائم ہوا اور یہاں بھی اس لفظ کو مٹانے کا فیصلہ ہوا ایسی صورت میں اس کی کوئی وجہ نہیں کہ مٹانے والا خواہ وہ کوئی ہو محمد اور آپ کے لقب دونوں کو مٹا دے اور پھر دوبارہ اپنا نام لکھے خاص طور پر جبکہ اس سے ما قبل کا لفظ ہذا ما اصطلاح "اسی جگہ برقرار رہے کیونکہ اس جگہ سے کوئی مخالفت نہیں تھی اس لئے یہ ما قبل کا جملہ اسی طرح برقرار رہا بالکل یہی کیفیت آپ کے نام کی تھی نام سے کوئی جھگڑا نہیں تھا پھر نام کو مٹانا اور "ما اصطلاح" کے جگے کو برقرار رکھنا کوئی قابل فہم بات نہیں ہے اسی اعتبار اور رضوانہ کی رو سے بخاری کی وہ روایت جسے ڈاکٹر صاحب نے سند کے طور پر پیش کیا غیر معتبر ہے۔

ثانیاً، خود بخاری نے اس سرگذشت کو مختلف صورتوں میں نقل کیا ہے "عمر القضاء" کے باب میں مضمون کی یہی ترتیب ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے لیکن کتاب صلح میں وہ لکھتے ہیں۔

جب قریش کے نمائندہ کا دباؤ ڈالا تو جناب رسالتؐ نے اپنے انشا پر داز کو حکم دیا کہ قریش کے نمائندے کے مطابق لکھے۔
کیا خود مولف کی نظر میں اس اختلافات کے باوجود پھر بھی یہ گفتگو قابل تہاد ہے۔

ثانیاً ہماری اور ابن اثیرؒ لکھتے ہوئے کہ جناب ختمی مرتبت نے خود عہد

صحیح بخاری، جزو سوم ص ۱۹۵

نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا اور اپنے والد زنگوار کا نام اس میں درج کیا یہ تصریح کرتے ہیں کہ

لیس یحییٰ الکتاب، یعنی باوجود اس کے کہ وہ لکھنے سے واقف نہ تھے انہوں نے اپنا اور اپنے والد زنگوار کا نام تحریر فرمایا کیا بخاری کا یہ جملہ واضح طور پر دائرہ صلیحہ کی نظریہ کی تردید نہیں کرتا؟ انہوں نے کس طرح لفظ کتب پر توجہ کی مگر اس جملہ کو نقل نہیں کیا جو ان کے استدلال کی اساس کو متزلزل کر رہا تھا۔

والحاجہ: اپنے والد زنگوار کا نام لکھا ڈاکٹر صاحب کے دعوے کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ ایسے کتنے افراد ہیں جنہوں نے تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور جو لکھنے پڑھنے سے واقف نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنا اور اپنے والد کا نام لکھنا جانتے ہیں خاصاً، ہم نے بخاری کے بہت سے نسخے دیکھ ڈالے مگر ہمیں یہیں بیدہ کا لفظ دکھائی نہیں دیا جس کے معنی اپنے ہاتھ سے لکھنے کے ہیں صرف ہم نے ہی نہیں بلکہ مشہور سیرت نگار ”حلی“ کا کہنا بھی یہی ہے کہ بخاری کے کسی نسخے میں ”بیدہ“ کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس رو سے کوئی بعید نہیں کہ کتب سے مراد حکم کتاب ہو کہ جہاں پیغمبر نے تائید قریش کے نظریہ کے مطابق لکھنے کا حکم صادر کیا۔ اگرچہ یہ تاویل بعید ہے۔

آخر میں ہم یہ بھی کہتے چلیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ناحق بخاری کے نقل شدہ مضموم کو ابن ہشام سے بھی نسبت دی ہے حالانکہ ابن ہشام کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب رسالت کے حکم سے خود لکھا ملاحظہ فرمائیں ص ۱۲، ص ۳۱۷۔

پیغمبر اسلام کچھ لوگوں کو خوشنویسی کی تعلیم دیتے ہیں

ایک محقق نے ”الترتیب الارایہ“ میں قاضی عیاض کی کتاب ”شفا“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالت کیونکہ ”ذیر بن ثابت“ جابر بن عبد اللہ اور معاویہ

سیت پچھ دیوں کو خوش نویسی کی تعلیم دیتے تھے۔
جواب: مذکورہ گفتگو کا تعصیل یوں ہے۔

۱۔ جناب رالتماب نے حضرت زید بن اسے کہا لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھو کہ میں کا لفظ طولانی نہ ہو۔

۲۔ جناب خنی مرتب نے معاویہ سے فرمایا تھوڑا سا موت یا ریشمی کپڑا کسی چندی روایت میں رکھو قلم کو بیچ سے شکاف اور اس کا مرا اس طرح بناؤ کہ یہ بھی طرف کا شکاف الٹی طرف سے پڑتا ہو۔ حرف "با" کو کھینچ کر کھو، رحل میں مد لگاؤ اور حیرم کو بہتر طریقے سے لکھو۔

۳۔ دلیلی نے حضرت اس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "بسم اللہ" لکھتے وقت رحل پر مد لگاؤ پہن لیکن یہی قاضی عیاض نقل میں کہ جناب خنی مرتب "مائی" تھے اور لکھنا پڑھا نہیں جانتے تھے آپ کی تمام علامات کا تعلق غیبی الہام سے تھا۔ قاضی صاحب نے اس روایت کے لئے کسی سند کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ اسے بطور مرسل اور بلا سند نقل کیا ہے اور ایک ایسے موضوع کے بارے میں بلا سند روایت صحیح نہیں ہوتی تاہم برزخ صحت کو اگر صاحب کے مقصد کو پورا نہیں کرتی کیونکہ ہرگز بعید نہیں کہ جناب خنی مرتب نے بعد بعثت از روی الہام و کرامت اقسام خط اور اس سے متعلق فن میں مکمل کمال حاصل کر دیا ہو۔

صفہ میں تعلیمی جماعتیں

بخاری "کتاب العلم" میں نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ کے پاس مسجد سے متصل "معدنہ" نامی ایک درس گاہ تھی اور آپ ذاتی طور پر تعلیم و تربیت سے متعلق ہر سوال و جواب کی کڑائی کر سکتے تھے جنہیں وہاں تعلیم دی جاتی تھی کبھی آپ خود کلاس لیا کرتے تھے لہ قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض کی "شفاء" اور شرح ملا علی قاری ج ۱، ص ۶۲۶-۶۲۷

اور اس مدرسہ کے فارغ التحصیل افراد کو اطراف کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔
 جواب: مسجد سے متصل اس کھلی جگہ کو صفہ کہا جاتا تھا جس پر ایک سائبان پڑی
 رہتی تھی اور یہ جگہ ان فقراء کے لئے بنائی گئی تھی جن کا کوئی گھر یا رہنہیں تھا لیکن ان کے
 لئے درس گاہ کی تاسیس کا مقصد انہیں اسلامی مبادیات اخلاقی و طائف، اور شرعی
 فروع سے آگاہ کرنا تھا اور کہیں کسی تاریخ میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ صفہ کی کلاسیں لکھتے
 پڑھنے کی تعلیم کے متعلق تھیں اور جناب ختمی مرتبت خاص مواقع پر انہیں لکھنا پڑھنا
 سکھاتے تھے۔

رسول خداؐ نے معاویہ سے خط لیکر اس کا مطالعہ فرمایا

ابن حجر ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ جناب ختمی مرتبت نے معاویہ کو کچھ مطالب املا کرے
 اور اس کے بعد خود انہیں لیکر مطالعہ فرمایا اور کہا کہ جو کچھ میں نے لکھوایا ہے وہ پوری
 صحت کے ساتھ قید تحریر میں آیا ہے۔

مذکورہ مقدمہ کو ابن حجر عسقلانی نے ”فتح الباری“ میں نقل کیا ہے۔
 لیکن معاویہ اور اس کا باپ دونوں فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جناب رسولؐ
 نے ان دونوں کے ایمان سے ۶۱ سال پہلے لوگوں کے درمیان زندگی کی ہے پھر کیونکہ کسی
 اور نے ایسی بات نقل نہیں کی ہے میرا خیال ہے کہ معاویہ کے چاہنے والوں اور ان لوگوں
 نے جو اسے کاتبان وحی کے کھاتے میں لانا چاہتے ہیں معاویہ کی بندی مقام کے لئے اس
 روایت کا وضع کیا ہے حالانکہ اسے چند گئے چھ مہینوں سے زیادہ جناب ختمی مرتبت
 کے لئے کوئی تحریر رقم نہیں کی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے ڈاکٹر صاحب کی کتاب ”کیا پیغمبر اسلام جاہل تھے؟“ ص ۱۳۔ تعجب خیز

بات یہ ہے کہ مذکورہ گفتگو بخاری کی کتاب العلم میں کہیں نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

ج ۱ ص ۱۷ تا ۲۰۔ ج ۹ ص ۴۳۔

ابن حجر بھی اس روایت کو نقل کرتے کے بعد لکھتا ہے ۔
یہ اور اس جیسی حدیثیں ، ضعیف احادیث ، میں شمار ہوتی ہیں اور یہ علماء
اسلام اور مشاہیر کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے ۔

کیا اس مسئلہ کے جواب کا کوئی اور رخ بھی ہے

اس سوال کے جواب کا دوسرا رخ اسلامی تواریخ ، متبع روایات اور وہ نقل شدہ
استاد ہیں جو مطالعہ کے دوران ہماری نظروں سے گزرے لیکن یہ بھی ناقص و تضاد سے
خالی نہیں ۔

اب ہم بطور اختصار انہیں اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ان
ردایلت کی تین قسمیں ہیں ۔

پہلی قسم

ان میں سے کچھ اس بات پر دوکالت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مگر آپ نے لکھنے
پر توجہ نہیں کی جیسے :-

۱ "صدوق" نے علل الشرائع میں سند مسلسل کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام
سے نقل کیا ہے پیغمبر خداوند عالم کے احسانات میں سے ایک یہ احسان ہے کہ آپ تحریر
کا مطالعہ فرماتے تھے مگر خود کچھ نہیں لکھتے تھے جب ابوسفیان نے مکہ سے احمد کا رخ کیا تو
حضرت عباس نے ایک خط کے ذریعہ اس کی اطلاع جناب رسالت ﷺ کو پہنچائی خط اس
وقت آپ کو پہنچا جب آپ مدینہ کے ایک باغ میں تھے آپ نے وہ خط پڑھا اور اس

۲ "ابن جریر" نے حدیث میں یہ روایت ہے کہ بعض راوی پہنچاتے نہ جاتے اور اسی
صورت میں یہ حدیث تا قایل اعتبار ہوتی ہے اور مذکورہ کتاب میں اس حدیث کی سندوں سے
"حدیثی ابی عن سعد بن معاذ بن حکم عن بنی زعلی عن بعض اصحابہ عن ابی عبد اللہ" ۔

کی تفصیلات اصحاب کو بتائیں اور سب کو شہر چلنے کا حکم دیا۔ شہر پہنچ کر آپ نے تمام لوگوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا۔

البتہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں بعض راویوں کی شناخت نہیں ہے لیکن اس کا مضمون بعد میں آئے والی صحیح الاسناد روایتوں کے مطابق ہے۔

مذکورہ کتاب کے اس صفحہ پر صدوق نے ہشام بن سالم کے حوالے سے صحیح اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جناب ختمی مرتبت کا خطوط کا مطالعہ فرماتے تھے لیکن کچھ لکھتے نہیں تھے۔

۳ اسی حدیث کو اس عبارت کے ساتھ ”حسن صیقل“ نے نقل کیا ہے کان فی امیالا یکتب ویقرہ الکتاب۔ جناب ختمی مرتبت نے کسی سے درس نہیں لیا تھا اور نہ ہی کچھ لکھتے تھے لیکن تحریر پڑھا کرتے تھے۔ یہ حدیث یا اعتبار سند درست ہے اس میں حسن صیقل کا صرف ایک نام ایسا ہے جس کی ہوسٹ مجہول ہے اور ان تینوں روایتوں کا تعلق دوران بعثت سے معلوم ہوتا ہے ورنہ دوسری صورت میں مخالف قرآن اور ناقابل اعتبار ہوگی اور یہ بات بھی جانتا ضروری ہے کہ امام جعفر صادق نے اس حدیث میں لفظ ”فی“ کو ”ناخواندہ“ کے مفہوم میں لیا ہے۔ اور اسے ”وام القری“ سے نسبت نہیں دی ہے جو کہ مکہ ہے۔

دوسری قسم

روایات کی دوسری قسم وہ ہے جو یہ بتاتی ہے کہ آنحضرت لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی اور اب ہم اس قسم کی روایات پر توجہ دینا چاہتے ہیں۔

۱۔ جعفر بن محمد الصوفی، امام محمد تقی علیہ السلام سے پوچھتے کہ پیغمبر کو جی ”کیوں کہا جاتلے آپ نے فرمایا لوگ (اہل سنت) اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض

۷۷

کی "امی" اس کو کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتا فرمایا جھوٹ ہے خداوند عالم نے آپ کو معلم کہا ہے۔ آپ جس چیز کو جانتے نہ ہوں اس کی تعلیم نہ کر دے سکتے ہیں جناب رانا! مترن باتیں بولتے بھی تھے اور لکھتے بھی آپ کو امی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اہل مکہ تھے اور مکہ کو ام القرى "کہا گیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے۔ لکن ذلالم القری ومن حولها۔"

یہ حدیث اگرچہ اپنے مشائخ کے ساتھ نقل ہوئی ہے تاہم بعض اعتبار سے مشکوک ہے اور اسے ہرگز امام معصوم سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔

اولاً۔ راوی حدیث جعفر بن محمد العمونی ہے اور کتب رجال میں اس کی کوئی تعریف درج نہیں ہے علماء رجال کی اصطلاح میں اس کا شمار "مجاہل و ناشافہ" افراد میں ہوتا ہے اور ایسی روایت جس کے راوی کی توثیق نہ ہو حجت، نہیں ہوتی۔

ثانیاً۔ "ام القرى" کی نسبت سے امی کے معنی پیدا کرتا عربی کے اس مسلم قواعد کے خلاف ہے جو اساتید علماء ادب اور نحو سے ہم تک پہنچی ہے۔

ہاں اگر اگر یہ حدیث ہمیں امام معصوم سے ملتی تو ہم علماء ادب کی باتوں کو غلط قرار دیتے اس لئے کہ عرب کے قواعد کو قرآن و سنت پر وارد نہ کیا جائے نہ اس کے عکس لیکن ابھی تو اس حدیث کی "حجیت" ثابت نہیں ہوئی ہے۔

۲۔ پیغمبر کے لکھے پڑھنے سے متعلق روایات کو تین اور مشائخ نے دیگر اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے جو کئی طور پر "علی بن حسان" اور "علی بن اسباط" پر جا کر ختم ہوتی ہے اور یہ اس کی تفصیل۔

صدق "علی الشرائع" میں مذکور حدیث کے اسناد کو اس طرح پیش کرتے

ہیں۔

۱۔ علی الشرائع ص ۵۳ اور معانی الاخبار ص ۲۰ -

۲۔ ص ۵۲

ابن ولید، عن سعد، عن الحنظل، عن علی بن اسباط، وغیرہ وغیرہ
عن ابی جعفر۔

صغار، بصائر الدرجات، میں ان افراد کو سند حدیث قرار دیتے ہیں۔

عبداللہ بن محمد، عن الحنظل، عن علی بن اسباط وغیرہ۔

”عیاشی“ نے اپنی تفسیر میں تمام اسناد سے صرف ایک شخص علی بن اسباط کا نام لیا ہے۔

جواب ہے۔ وہ دو اشکال جو پہلی روایت میں پائے جاتے تھے اس روایت میں بھی

موجود ہیں اگر پہلی روایت جعفر بن محمد صوفی کے حوالے سے ضعیف تھی تو یہ روایت یا وجود

اس کے تین مشائخ حدیث نے اسے نقل کیا ہے مرفوعہ ہونے کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے

یعنی اس حدیث میں امام علی بن اسباط کے درمیان کوئی راوی نہیں ہے۔

ادریس سل اور مرفوعہ حدیث اسناد حدیث کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ پھر یہ

کہ لفظ امی کو ”ام القری“ سے نسبت دی گئی ہے اور یہ بات عربی کے مسلمہ قواعد کے موافق

نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اگر جناب ختمی مرتبت ملا عام میں لکھتے پڑھتے تھے تو ہمیں یہ بات

تو اتارے ملنی چاہیے تھی نہ کہ ان روایات کے ذریعہ جو احار ہونے کے علاوہ بہ اعتبار

اسناد اشکالات ہوں۔

آپ کی زندگی کی تمام خصوصیات کو قلم بند کرنے والے محققین نے آخر کس طرح

آپ کے گوشہ حیات سے غفلت برتی ہے اسی لئے ہم اس قسم کی روایات کو قابل یقین

نہیں سمجھتے۔

تیسری قسم

روایات کی تیسری قسم وہ ہے جو جناب ختمی مرتبت کے عمل کو اس کے عنوان سے پیش

صفحہ ۶۲ مرفوعہ روایت وہ ہے جس میں راوی امام اپنے درمیان کے واسطہ کو حذف کر چکے
اور لفظ ”رضع“ استعمال کرے۔

کرتی ہے کہ آپ پڑھنے لکھنے سے نااہل تھے۔ جیسے۔

۱۔ خالد بن ولیدؓ نے ”بریدہ الحبیب“ کے ہاتھوں حاکم وقت سے شکایت بھرا خط جناب ختمی مرتبتؑ کی خدمت میں روانہ کیا۔ آپؑ نے وہ خط کسی اور سے پڑھوایا ایک کمانڈر کا خط جو اعلیٰ افسر کے ہاتھوں وہ بھی میدان جنگ سے آپ کو پہنچا، بوڑھی اہمیت کا حامل ہے اگر خطوط کا مطالعہ جناب ختمی مرتبتؑ کا معمول رہا ہو تو اس قسم کا اہم خط بھی آپ ہی کو پڑھنا چاہیے نہ تانا نہ یہ کہ آپ کسی اور سے اس کو پڑھواتے۔
۲۔ حدیث کے واقعہ میں جس کی تفصیلات آپ گزشتہ صفحوں میں پڑھ چکے ہیں جناب ختمی مرتبتؑ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ میری انگلی رسول اللہؐ کے لفظ پر رکھ دو تاکہ میں خود اسے سنا دوں۔ یہ جملہ اس شخص کی زبان سے نہیں نکل سکتا جو الفاظ اور حروف سے آشنا ہو۔

ان روایات کے بارے میں ہماری گفتگو

یہ روایات بعض وجوہات کی بنا پر قابلِ اعتماد نہیں۔
الف۔ روایتوں کی یہ تین قسمیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔
۱۔ روایتوں کے پہلے گروہ نے پیغمبرؐ کے لئے صرف پڑھنے کو ثابت کیا ہے اور لکھنے کی نفی کی ہے، دوسرے گروہ دونوں اور کی تاکید کرتا ہے۔ تیسرے گروہ دونوں کی عملی کرتا ہے۔
۲۔ اختلافات کے بعد ہم ان کے مفہوم پر کیے اعتماد کر سکتے ہیں لیکن اگر ان روایات پر عمل مقصود ہو تو پہلی قسم زیادہ صحیح روایتوں کی بنیاد پر دوسرے دو اسما پر مقدم ہے۔
ب۔ ان روایات کے بیشتر اسناد مکمل طور پر غیر قابلِ اعتماد ہیں۔

ج۔ پیغمبرؐ کی زندگی کے ایک ایسے اہم پہلو کے بارے میں تاریخ نویسوں نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی حالانکہ انہوں نے آپؐ کی زندگی سے متعلق اس سے بھی زیادہ غیر اہم باتوں

۱۔ اسلافہ ج ۱ ص ۱۷۶، الدجرات اربعہ فی طبقات الشیعہ الامامیہ صفحہ ۱۲۱۔

کو محفوظ کیا جائے۔ اس اعتبار سے بھی یہ روایت غیر یقینی ہیں۔

پس ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

محترم قارئین! اس رقیق بحث کے جائزہ کے بعد ہمیں ان تین نظریوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

پہلا وہ نظریہ ہے جسے عظیم شیعہ دانشور سید مرتضیٰ مرحوم نے اپنے لئے انتخاب کیا انہوں نے دلائل میں جب عجیب تناقص دیکھا تو بعد بعثت کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکے لہذا انہوں نے صرف اس بات کی نفی کی کہ پیغمبر قبل بعثت لکھنا پڑھتا جانتے تھے لیکن بعد بعثت کے بارے میں انہوں نے توقف اختیار کیا۔

دوسرا ایسی کوئی حدیث جسے قاطع کہا جائے نہیں نہیں ملی جو یہ ثابت کرتی ہے کہ بعثت پیغمبر اکرم کی کیفیت قبل بعثت سے بدل گئی ہو۔

لکھنے پڑھنے پر آپ کی توانائی کے بارے میں ہمیں نہ کوئی قطعی حدیث ملی اور نہ کوئی قابل اعتماد سند۔

تیسرا یہ آخری انعطاف جسے پیش کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کہیں کہ حرام میں پہلی وحی کے موقع پر جناب ختمی مرتبت کے نظروں کے سامنے سے تمام محابات اٹھائے گئے جس کے زیر اثر آپ لکھنے پڑھنے اور تمام نقوش و حروف پر قدرت حاصل ہو گئی لیکن آپ نے تمام عمر مطلقاً اس سے استفادہ نہیں کیا یا پھر پہلے گروہ کے مطابق جن میں صحیح روایات بھی موجود ہیں جناب رسالت کا خطوط کا مطالعہ فرماتے تھے مگر آپ نے کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔